گورونانک

گوربچن سنگھ طالب

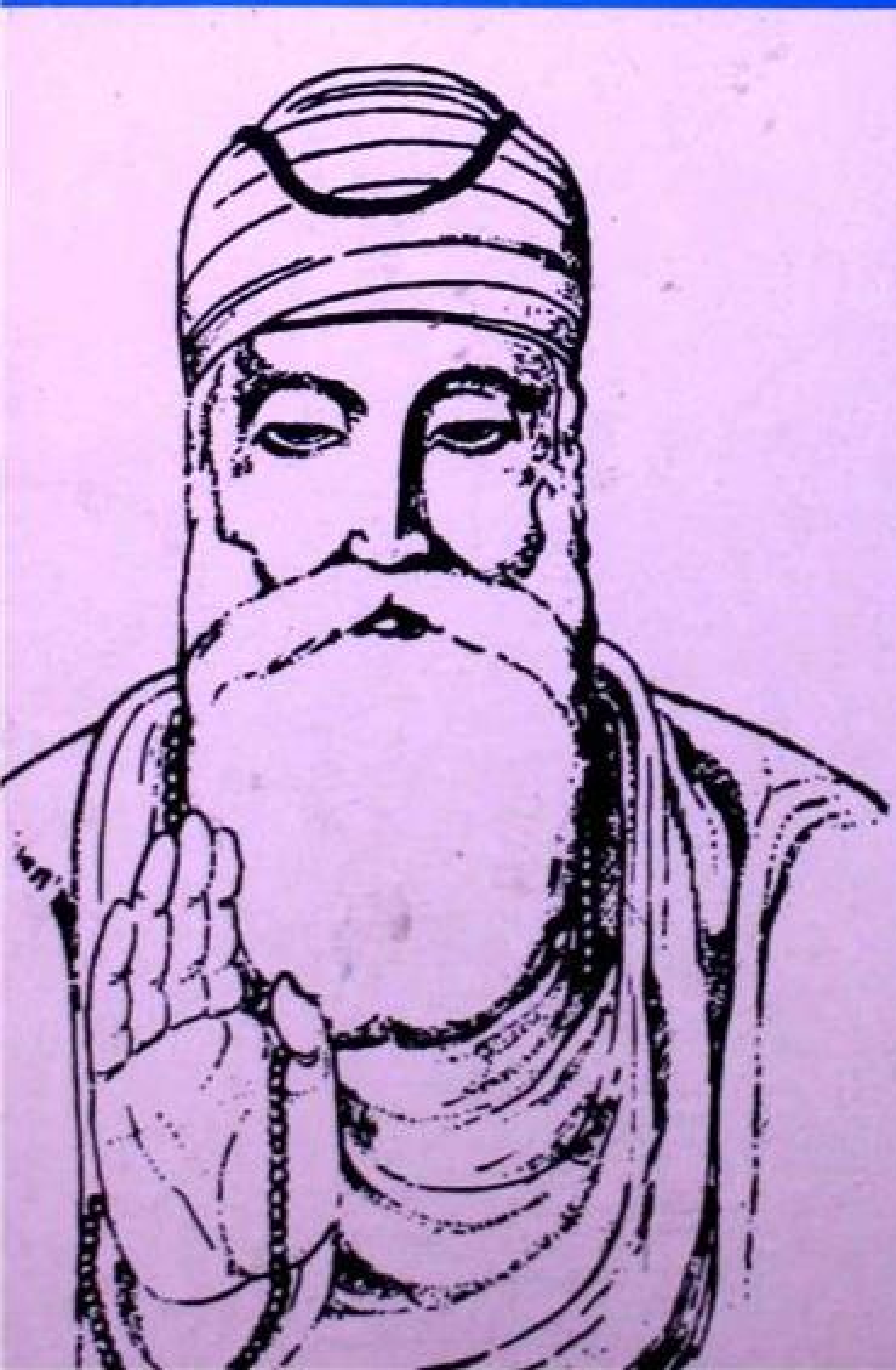

ہندستانی
ادب کے
معمار

گوُرو نانک

سرورق کے آخری صفحہ پر سنگ تراشی کے جس نمونے کی تصویر دی گئی ہے، اس میں
تین جیوتشی بھگوان بدھ کی ماتا مہارانی مایا کے خواب کی تعبیر بیان کر رہے ہیں، اور
ان کے نیچے ایک کاتب بیٹھا ان کی تعبیر قلمبند کر رہا ہے۔
یہ شاید ہندستان میں لکھنے کے فن کی قدیم ترین تصویری مثال ہے

(ناگ ارجن کانڈ۔ دوسری صدی عیسوی)

(بشکریہ نیشنل میوزیم، نئی دہلی)

ہندوستانی ادب کے معمار

گوُرو نانک

مصنّف

گوربچن سنگھ طالب

مترجم

پریم کمار نظؔر

ساہتیہ اکادمی

۱

زندگی اور تعلیمات

گورو نانک (۱۴۶۹ء - ۱۵۲۹ء) بنارس کے کبیر اور روی داس بنگال کے چیتینہ اور آسام کے شنکر دیو جیسے عظیم روحانی رہنماؤں کے ہم عصر تھے۔ گو یہ وقت کے مطابق ان میں سے کچھ کے ساتھ کسی حد تک روحانی ہم آہنگی رکھتے تھے، تاہم ان کا ذاتی نظریہ جداگانہ ہی تھا۔ آپ سماج کے دبے کچلے لوگوں کے لیے خصوصاً ہمدردی رکھتے تھے۔ گورو نانک کا دوسرے مذاہب، خاص طور سے اسلام، کے ساتھ رویّہ رواداری کا تھا اور وہ ایک منصفانہ سماج کے حق میں تھے۔ وہ روحانی اور اخلاقی قدروں کے پاسدار تھے اور ان کی الہامی بصیرت ایک جامع زندگی کی مظہر تھی۔ وہ ایک ایسے سماج کی تخلیق کرنا چاہتے تھے جو خود غرض مذہبی رہنماؤں سے پاک ہو اور لالچی حکمرانوں اور سفاک حاشیہ برداروں سے مبرّا ہو۔ ہندوستان کے عظیم روحانی رہنماؤں میں گورو نانک کو خاص مقام حاصل ہے۔ ان کے بصیرت افروز نظریے کا نتیجہ یہ نکلا کہ سکھ دھرم کی بنیاد رکھی گئی جس نے اپنے پیروکاروں کے دلوں میں مجاہدانہ انقلابی روح پھونک دی اور جس نے شمال مغربی ہندوستان کے ایک بڑے علاقے کی تاریخ پر گہرا اثر ڈالا۔ اس کی قوت برابر بڑھتی چلی آرہی ہے۔

گورو نانک ایک کاشتکار تاجر اور محکمہ مال کے اہلکار مہتہ کالو کے گھر رائے بھو کی تلونڈی میں پیدا ہوئے۔ جسے ان کے نام کی مناسبت سے اب ننکانہ صاحب کہا جاتا ہے۔ یہ جگہ وسطی پنجاب میں لاہور کے نزدیک واقع ہے، جو اب پاکستان کا حصّہ ہے۔ بچپن سے ہی وہ خیالوں میں کھوئے رہتے تھے اور جیسے جیسے بڑے ہوئے مختلف عقائد کے حامی سادھوؤں اور فقیروں کے ساتھ صحبت کے متلاشی رہنے لگے۔ انھوں نے سنسکرت، فارسی اور حساب

کتاب کی گھر ہی پر تعلیم حاصل کی۔ لیکن ان کا دل کسی بھی دنیاوی کام میں نہ لگتا تھا اور بار بار اس امر کے اشارے ملتے کہ یہ نوجوان روحانی زندگی کی طرف راغب ہوگا۔ ان کے والدین کا اس بات پر تشویش ظاہر کرنا قدرتی تھا کیونکہ ان کا اکلوتہ بیٹا اس راہ پر گامزن ہو رہا تھا جو اسے سادھو، سنیاسی بنا دے گی۔ لہٰذا انھوں نے کوشش کی کہ اس نوجوان کو کسی منافع بخش کام پر لگا دیا جائے۔

جب وہ ۱۸ سال کے ہوئے تو ان کے گھر والوں نے ان کی شادی ماتا سُلکھنی سے کر دی۔ ماتا سُلکھنی کے بطن سے دو بیٹے پیدا ہوئے۔ بڑے صاحبزادے جن کا نام شری چند تھا، طبیعتاً گوشہ نشین تھے۔ آگے چل کر انھوں نے سکھوں میں "اداسی" فرقہ کی بنیاد ڈالی جس کے پیروکار راہبانہ زندگی گزارتے ہیں اور مذہب اور فلسفہ میں علمیت کو فوقیت دیتے ہیں۔ جب ۱۸ ویں صدی میں سکھ ظلم وستم کا شکار ہو رہے تھے تو وہ حکمرانوں کے عتاب سے اس لیے بچے رہے کہ انھوں نے سکھوں کی ظاہری شکل اختیار نہیں کر رکھی تھی۔ وہ سکھوں کے مقدس مقامات کی دیکھ بھال کرتے رہے اور انھوں نے سکھ مذہب کو عوام میں پھیلایا۔

گورو صاحب کے چھوٹے صاجزادے لکھمی داس نے وقت آنے پر شادی کی اور ان کی اولاد سکھوں میں بیدی صاجزادوں کے لقب سے مشہور ہوئی۔ بیدی صاجزادے عزت واحترام کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں کیونکہ ان کا شجرہ نسب گورونانک سے جا ملتا ہے۔

گورونانک ابھی نوعمری ہی میں تھے کہ قرب وجوار کے لوگوں نے ان میں روحانی صفات کی جھلک دیکھی۔ گورونانک میں غیر معمولی صلاحیتوں کو سب سے پہلے بھانپنے والا مسلمان راجپوت سردار بھٹی تھا جس نے گورو صاحب کے تئیں پرستشانہ رویہ اختیار کیا۔ کچھ معجزے بھی ان کے نام سے منسوب کیے جاتے ہیں۔ جب ان کو مویشی چرانے کے لیے بھیجا گیا تو وہ ایک کھیت میں درخت کے نیچے سو گئے۔ سورج کے اپنا سفر جاری رکھنے پر بھی درخت کا سایا گورونانک صاحب کے چہرے سے نہ ہٹا۔ ایک کالے ناگ نے اپنا پھن پھیلا کر دھوپ کو روکے رکھا۔ وغیرہ وغیرہ۔

کچھ عرصہ کے لیے انھوں نے سلطان پور لودھی (ضلع کپور تھلہ) کے حاکم کے غلہ خانہ

میں بطور نگران بلازمت بھی کی۔ کہا جاتا ہے کہ یہاں گورو نانک خیال میں بہت زیادہ مستغرق رہتے اور غلّہ خانہ کے کام کی طرف بہت کم توجہ دیتے۔ لوگوں نے خان کے پاس گورو صاحب کی شکایت کر دی اور اس نے تحقیقات کا حکم دے دیا۔ تحقیق کرنے پر پتہ چلا کہ غلّہ خانہ میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی اور ہر چیز ٹھیک ٹھاک تھی۔ جب گورو نانک غلّہ خانہ کے نگران تھے تو وہاں کے ماحول میں پاکیزگی چھائی رہتی۔

اسی عرصہ کے دوران میں گورو نانک دیو پر روحانی اسرار منکشف ہوئے۔ ایک صبح جب وہ سلطان پور کے نزدیک بہنے والی ایک چھوٹی سی ندی بئیں میں غسل فرما رہے تھے تو وہ حسب معمول مراقبے میں چلے گئے۔ اُن کے اوّلین سوانح نگاروں نے لکھا ہے کہ وہ اسی حالت میں بارگاہِ الٰہی میں پہنچے۔ مالکِ دو جہاں نے ان سے کہا کہ وہ دنیا میں جائیں اور لوگوں کو تلقین کریں کہ وہ عبادت اور پرہیز گاری کی زندگی گزاریں۔ ندی سے نکل کر جب وہ شہر میں آئے تو ان کی زبان مبارک سے یہ الفاظ نکلے "نہ کوئی ہندو ہے اور نہ کوئی مسلمان" اس سے مراد یہ تھی کہ مذہبی تفریق انسان کی اپنی اختراع ہے اور خدا کی نظر میں اس کی کوئی وقعت نہیں۔ انھوں نے دنیاوی املاک سے اپنا رشتہ منقطع کر لیا اور اپنے آپ کو خدا کا پیغام لوگوں تک پہنچانے کے لیے مکمل طور پر وقف کر لیا۔ بہت جلد بے شمار لوگ ان کے مرید اور مدّاح بن گئے اور وہ مذہبی رہنما کے طور پر تسلیم کیے جانے لگے۔

گورو نانک ہمہ گیر اور غیر فرقہ وارانہ خیر خواہی کے حامل تھے اور انھوں نے ہندوستان کے ان مختلف مقامات کا دورہ کرنے کا فیصلہ کیا جہاں کے لوگ مذہب کے نام پر برسرِ پیکار تھے۔ وہ اس مقصد سے بہت سی جگہوں پر گئے جسے سکھوں کی اصطلاح میں "اداسیاں" کہا جاتا ہے۔ دوران سفر وہ مختلف سمتوں میں گئے۔ سب سے پہلے ہندوؤں کے متبرک مقام کورُوکشیتر، ہری دوار، بنارس، اڑلیہ، بنگال اور آسام کی طرف گئے۔ ان علاقوں میں انھوں نے کئی سال گزارے۔ جہاں جہاں بھی وہ گئے، انھوں نے آپسی بھائی چارے کا پیغام دیا اور تفریق پرستی سے بچنے کی تلقین کی۔ انھوں نے لوگوں سے کہا کہ وہ خدائے واحد کی پرستش کریں جو سب کا خالق ہے اور جس کی نظر میں سب برابر ہیں۔ اس طرح انھوں نے

تفرقات کو ختم کرنے اور تمام انسانوں کو پیار کے رشتے میں منسلک کرنے کی کوشش کی۔ انھوں نے ہندوستان اور بیرونِ ملک کے بہت سے اسلامی مراکز کی بھی زیارت کی اور مکّہ اور بغداد گئے۔ انھوں نے مسلمانوں کو پاک وصاف زندگی بسر کرنے کا مشورہ دیا اور ہندوؤں اور مسلمانوں کو بھائیوں کی طرح رہنے کی تلقین کی۔ نفرت اور مذہبی جنون کے اس دور میں ایسی تعلیم تقریباً نہ ہونے کے برابر تھی۔ انھوں نے یوگیوں کو روحانیت، راست بازی اور حق پرستی کا پیغام دیا اور ساحرانہ معجزے دکھانے کی ممانعت کی۔

گورونانک کے بنیادی اصول وحدت پر مبنی ہیں۔ وہ ہر ذرّے میں خدا کا نور دیکھتے تھے۔ ان کی تعلیمات میں بھگتی مرکزی نکتہ ہے۔ اُن کے روحانی تعلیمی نظام میں کلام پاک کی سماعت، اس پر غور وفکر اور مراقبہ، تین اہم مقاصد ہیں۔ اُن کے ساتھ ساتھ خدمتِ خلق اور جذبۂ رحم پر بھی زور دیا جس کے بغیر روحانی جستجو نامکمل ہے۔ انسان پر روحانی تجسّس اور پرستش ہر چند لازم ہے لیکن وہ کسی صورت میں بھی یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ اُسے نجات اپنی کاوشوں سے ملے گی۔ اس کے لیے اسے خدا کی رحمت پر بھروسہ کرنا پڑے گا جسے وہ نہایت عجز وانکسار سے حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ گورونانک کی تعلیمات کا نچوڑ یہ ہے کہ انسان ربّی برکتوں کا حقدار تبھی بن سکتا ہے جب وہ عاجزی اور انکساری سے کام لے اور غرور اور تکبّر سے کنارہ کشی کرلے۔ غرور اور تکبّر سے پیش آنے والا آدمی کبھی بھی وصالِ الٰہی کا حقدار نہیں بن سکتا۔ انسان کا صرف ایک ہی مقصد ہے اور وہ یہ کہ خدمت اور عبادت کے ذریعے سے روح کے بار بار قالب بدلنے کے چکر کو ختم کرنا۔ لیکن انسان کو صرف اپنی ہی نجات کو مقدّم نہیں رکھنا چاہیے بلکہ اسے چاہیے کہ وہ اپنی درس وتمثیل سے دوسروں کی نجات کا ذریعہ بھی بنے۔ "سکھ مت" کے ماننے والوں کو چاہیے کہ وہ بدھ مذہب کے پیروکاروں کی طرح سے ہمدردی اور ایثار کو اپنائیں۔ سچّے سکھ پر لازم ہے کہ دنیا سے کنارہ کشی اختیار نہ کرے بلکہ اسے "دھرم سال" سمجھ کر یہیں رہتے ہوئے راست بازی کی زندگی اختیار کرکے اور تحریص سے اپنا دامن بچائے رکھے۔ حرص وہوس روحانی ترقی میں سدِّ راہ بنتے ہیں اور ان سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کی جائے۔ گورونانک نے کہا کہ بھگوان کوئی شکل اختیار نہیں کرتا بلکہ

"نام" اور "شبد" ہی کے ذریعے سے پہچانا جاتا ہے۔

اس عظیم ہستی کو گورو نانک نے "ایک اوم کار" اور "کرتار" کے نام سے پکارا ہے۔ وہی بشارت کا سرچشمہ ہے جس سے تمام روحانی راز منکشف ہوتے ہیں۔ مالک دوجہاں کی امتیازی صفات کو مدِ نظر رکھ کر کئی ناموں سے پکارا جاتا ہے جیسے "اکال"، "سچا"، "پیارا"، "نرنجن" وغیرہ۔ اکثر اسے "تم" یا "وہ" بھی کہا جاتا ہے۔ اس کے کچھ نام مسلم روایات سے بھی اخذ کیے گئے ہیں جیسے "کریم"، "رحیم"، "پاک"، "پروردگار" وغیرہ۔ یہ نام پندرھویں سولھویں صدی میں کسی رائج زبان ہی کے طابع نہیں بلکہ فرقہ وارانہ منافرت کے ماحول میں اخوت اور بھائی چارے کا جذبہ پیدا کرنے کے لیے رکھے گئے۔

انھوں نے یوگیوں کے ساتھ متعدد مذاکرات میں راہبانہ زندگی کی کوتاہیوں کی طرف اشارہ کیا جبکہ دنیا گناہ اور برائی کے عذاب میں جل رہی ہو۔ گورو صاحب نے یوگیوں کو کہا کہ وہ عوام میں جاکر انھیں صحیح راستہ دکھائیں۔ یہاں پہاڑی گپھاؤں میں رہ کر اور جسم پر راکھ مل کر اپنی زندگی ناحق برباد کر رہے ہیں۔ جہاں کہیں بھی وہ گئے انھوں نے اپنے آدرشوں کا صدق دِلی سے اظہار فرمایا اور لوگوں نے ان کی پوری تعظیم کی اور ان کے ارشادات کو پوری توجہ سے سنا۔ اس سفر کے دوران میں وقتی طور پر تو انھوں نے گھریلو زندگی سے قطع تعلق کیا لیکن سنیاس کبھی نہیں لیا۔ سچائی اور راستی کا درس دینا ان کی زندگی کا نصب العین تھا۔ دنیا میں رہتے ہوئے بھی وہ آلودگی سے پاک رہے۔ اس کی وضاحت کے لیے انھوں نے قدیم ہندوستانی فلسفے سے کنول کے پھول کا استعارہ استعمال کیا جو پانی میں رہتے ہوئے بھی اس کا لمس قبول نہیں کرتا۔ بیس سالوں پر محیط اس رسالتی سفر کے اختتام پر انھوں نے اپنے کنبے کے ساتھ دریائے راوی کے کنارے ایک چھوٹے سے قطعۂ اراضی پر بود و باش اختیار کی۔ (یہ جگہ آج کے ضلع گورداس پور کا حصّہ ہے) اس کا نام کرتار پور رکھا گیا۔ یہاں انھوں نے درس کا سلسلہ جاری رکھا اور "گوروانی" کی تخلیق کی۔ اس طرح روحانی بیداری اور راست بازی کا سبق دیتے ہوئے انھوں نے ستّر سال کی عمر میں ۱۰ اسوج یعنی ستمبر ۱۵۳۹ء میں اس دار فانی سے کوچ کیا۔ ●●

گورو نانک نے زندگی کے آخری ایام اپنے آشرم واقع کرتار پور میں ریاضت اور عبادت میں بسر کیے۔ یہاں پر انھوں نے مقدّس کلام کی تخلیق کی اور ادھر سے گزرنے والوں کو روحانی بیداری کا درس دیا۔ وہاں پر رہائش پذیر لوگ صبح و شام اکٹھے ہو کر مالکِ دو جہاں کی حمد و ثنا کرتے اور بھلائی کے کاموں میں مصروف اور مقدّس گفتگو میں محو رہتے۔ دور دراز سے لوگ ان کے دیدار کے لیے آتے اور ان کے درس سے فیض یاب ہوتے۔ اس چھوٹے سے قطعۂ اراضی پر ایک مسافر خانہ قائم کیا گیا جہاں ہر آنے والے کے لیے کھانے کا بندوبست بھی تھا۔ سکھوں کی اصطلاح میں اسے "لنگر" کے نام سے پکارا جاتا ہے اور گورو نانک کے زمانے سے آج تک رائج ہے۔ اصل میں یہ روایت سکھوں کے مذہب کا ایک اہم جزو بن چکی ہے۔ یہ جگہ اب پاکستان میں ہے اور دریائے راوی کے مغربی کنارے پر ایک پُرشکوہ گوردوارہ اس جگہ پر تعمیر ہوا تھا۔ چونکہ پہلی جگہ دریائے راوی کے بہاؤ میں آگئی تھی اس لیے دریا کے مشرقی کنارے پر ہندوستان کی سرحد کے اندر ڈیرہ بابا نانک نام کا مشہور گوردوارہ ہے جسے گورو نانک کے پوتے بابا دھرم چند نے تعمیر کیا تھا۔ اب یہ ایک پُر رونق قصبہ ہے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے حکم سے اس گوردوارے کو سونے سے مزیّن کیا گیا۔

گورو نانک کی تعلیمات کا نکتہ امتیاز یہ ہے کہ سارے مذاہب میں باہمی رواداری قائم ہو اور انھوں نے ہر مذہب میں اخلاقی اور روحانی بیج بونے کو بنیادی اصول قرار دیا۔ وہ تنگ نظری اور ظاہری رسومات کی پابندی کے سخت خلاف تھے اور ان لوگوں کی ہمیشہ سرزنش کرتے تھے جو آپسی جھگڑوں کو ہوا دیتے تھے۔ انھوں نے کھوکھلی پارسائی کی سخت مذمّت کی۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین رواداری اور غیر جانب داری کے رویّے کے حامی تھے۔ اُن کی دانست میں اچھا ہندو وہی ہے جو رحم دلی اور راستی کے اصول کا پابند ہو۔ یہ دونوں اصول گورو صاحب کے مذہبی اعتقاد کی بنیاد اور اونچے آدرشوں کی جان تھے۔ ایک مسلمان کو بھی چاہیے کہ وہ راست روی اختیار کرے اور ساری انسانیت کے لیے دل میں ہمدردی کا جذبہ پیدا کرے۔ جب آپ مکّہ شریف میں تھے تو کہا جاتا ہے کہ مسلم صوفیا سے آپ کی بحث چھڑ گئی۔ انھوں نے آپ سے پوچھا کہ ہندو

اور مسلمان میں آپ کس کو برتر سمجھتے ہیں ؟ گورو صاحب نے انھیں خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ "خواہ وہ ہندو ہو یا مسلمان، جو نیکی کا کام نہیں کرے گا اس کا انجام بُرا ہی ہوگا"

گورو صاحب نے رحم کے جذبے سے سرشار آواز میں فرمایا کہ وہ ہمیشہ ہی مغرور کا نہیں بلکہ عاجز کا ساتھ دیں گے۔ جہاں عاجزی کو احترام بخشا جائے اس سرزمین پر ہمیشہ خدا کی رحمت کا سائبان تنا رہتا ہے۔ انسان جنم سے نہیں بلکہ اپنی بدکاریوں کی وجہ سے ناپاک ہوتا ہے۔ جو آدمی اونچی ذات کا ہو، لیکن اس کا باطن گندی سوچ، ظالمانہ رویّہ افترا پردازی اور غم و غصّہ سے بھرا رہتا ہو وہ کبھی بھی پاک باز نہیں کہلاتا۔ جو خدا کا مقدّس نام نہیں لیتے وہی کمیں ذات کہلاتے ہیں۔ جن کو نیچی ذات کا ہونے کی وجہ سے قابلِ نفرت سمجھا جاتا ہے۔ گورو نانک ان کے لیے ہمدردی کا اظہار یوں فرماتے ہیں :-

وہ برتر ذات والے
جو خدا کے خدمت گزار ہیں
عظیم ہیں
لیکن
کم تر ذات والے
جو ذاتِ باری کی خدمت میں ہمہ وقت مصروف ہیں
انھیں
میری کھال کے جوتے پہنا دو

جس ملک میں چھوت چھات کی لعنت چاروں طرف پھیلی ہوئی ہو وہاں پر غریبوں اور مظلوموں سے ہمدردی کا اظہار صرف گورو نانک ہی کر سکتے تھے۔ وہ مذہبی رواداری کے زبردست حامی تھے۔ اِنھیں اوصاف کی وجہ سے انھیں جدید طرزِ فکر کا پیش رو کہا جاتا ہے۔ ایسے خیالات اُن دنوں نئے ضرور لگتے تھے لیکن سائنس کے علم سے پیدا ہونے والی روشن خیالی اور انسان دوستی نے اب انھیں عمومی قبولیت عطا کر دی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ اپنے سفر کے دوران گورو نانک عرب ممالک کے علاوہ ہمالیہ کی اونچی

اونچی پہاڑیوں پر اور وسطی ہندوستان کے گھنے جنگلوں میں بھی گئے جہاں چور لٹیرے اور آدم خور انسان بستے تھے، جو تہذیب اور مذہب نام کی چیز سے بے بہرہ تھے۔ بعد میں وہ سری لنکا کی طرف بھی گئے جہاں انھوں نے راجہ شونابھ کو اپنی تعلیمات کا درس دیا۔ ہمالیہ پربتوں پر سمادھی لگا کر بیٹھنے والے اور ساحرانہ کرتب دکھانے والے یوگیوں کو جھنجھوڑا اور انھیں اُن کی ذمہ داری کا احساس کروایا۔ ان یوگیوں کو باور کروایا گیا کہ پاک پوتّر زندگی گزارنے والوں کی ذمہ داری ہو جاتی ہے کہ وہ جہالت اور مصیبت کے جال میں پھنسے ہوئے لوگوں کو نجات دلوائیں۔

ایک خاص وصف جو گورونانک کو دوسرے روحانی رہنماؤں میں ممتاز بناتا ہے یہ ہے کہ وہ انصاف پرستی کے قائل تھے۔ اور ایسا سماج قائم کرنا چاہتے تھے جہاں انصاف کا بول بالا ہو۔ وہ سماجی نابرابری کے سخت خلاف تھے اور انھوں نے اپنی تعلیمات میں سماجی ناانصافی کی دل کھول کر مذمّت کی۔ ان کی سرزنش سے کوئی بھی نہ بچ سکا، چاہے وہ تخت نشین راجہ ہو یا اس کے لالچی اہلکار یا کارندے ہوں یا خود غرض مذہبی پرچارک۔

جب بابر نے ہندوستان پر پے در پے حملے کیے تو اس کی سپاہ بے سہارا لوگوں پر ٹوٹ پڑی۔ لوٹ مار، آتش زنی اور قتل و غارت کا بازار گرم رہا اور ہر طبقے کی عورتوں کی بے حرمتی کی گئی۔ بدکار اور بدقمار لودھی حکمران اپنی رعایا کی حفاظت نہ کر سکتے تھے۔ ایسے واقعات سے جو ملک کی تاریخ پر گہرا اثر چھوڑتے ہیں، گورونانک نے ایک سبق آموز نتیجہ یہ اخذ کیا کہ عیش و عشرت کی زندگی گزارنے والے نہ تو کبھی بہادر ہو سکتے ہیں اور نہ ہی عظیم سلطنتوں کے محافظ بن سکتے ہیں۔ آرام پرستی کی زندگی گزارنے کا انجام ہمیشہ تباہی ہی ہوتا ہے، یہی اخلاقی قانون بھی ہے۔ جابر فاتحوں نے ہوس پرستی کے اس کھیل میں ہندو مسلم عورتوں میں کوئی امتیاز نہ رکھا۔ ہندوستانی عورتوں کی بے حرمتی پر گورو صاحب کا دل خون کے آنسو رویا۔ گورونانک نے کسی خاص جماعت کے حق میں آواز بلند نہیں کی اور نہ ہی اپنے غم و غصّے کا اظہار کسی خاص طبقے کے خلاف کیا بلکہ ان کی ہمدردی سبھی کے ساتھ تھی۔ اس موضوع پر لکھی گئی اپنی ایک نظم میں انھوں نے مظلوم کے لیے لفظ 'ہندوستان' استعمال کیا

ہے اور ایسا شاید ملک کی تاریخ میں پہلی بار ہوا ہے۔ گورو گرنتھ صاحب میں اس موضوع پر چار نظمیں ملتی ہیں۔ اس میں سے ایک آگے آنے والے صفحات پر درج کی گئی ہے جو اِن الفاظ سے شروع ہوتی ہے: ”خوبصورت مانگ پٹّی میں بھرا ہوا سندور“ اِس کے علاوہ کچھ دوسرے اقتباسات بھی دیئے گئے ہیں۔ ہندوستان کی مظلومیت کا حال بیان کرنے والی پہلی آواز گورو نانک ہی کی آواز تھی۔

نچلی ذاتوں کے علاوہ جس پر وہ سب سے زیادہ مہربان تھے، وہ عورتوں ہی کا طبقہ تھا۔ عورت! جو صدیوں سے مرد کی بالادستی، غلامی اور ذلّت آمیز سلوک کا شکار بنی ہوئی تھی۔ گورو نانک نے پوچھا: ”اس کو گالی کیوں دیتے ہو جو عظیم ترین روحوں کی جنم داتا ہے؟ عورت ہی عورت کو جنم دیتی ہے۔ اور کوئی بھی آدمی عورت کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ صرف اُس مالک کی ابدی ذات ہی عورت کے بغیر ہے۔ انھوں نے سُوتک کا وہم رکھنے والوں کی سخت مذمّت کی جو یہ سمجھتے تھے کہ جس جگہ پر بچّہ جنم لیتا ہے وہ جگہ کئی دنوں کے لیے ناپاک ہو جاتی ہے۔ انھوں نے زور دے کر فرمایا کہ گندگی غیر اخلاقی حرکات میں ہوتی ہے اور غلاظت کا تعلق ہماری ہوس پرستی دوسروں کی چغلی کھانے اور جھوٹ بولنے سے ہے نہ کہ جنم اور موت کے قدرتی نظام سے۔ کھانے والی چیز دوسروں کے چھونے سے کبھی ناپاک نہیں ہوتی بلکہ اسے ناپاک بناتا ہے کھانے والا کا لالچ۔ ایسی تعلیمات نے، جو صاف گوئی، سچائی اور منطق پر مبنی تھیں، ایک انقلابی اور اصلاحی کردار ادا کیا اور دقیانوسی ہندوستانی معاشرے کو صدیوں کی نیند سے جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔

گورو نانک نے آخرت کے سفر پر روانہ ہونے سے پہلے اپنا وارث مقرّر کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس کارِعظیم کے لیے انھوں نے اپنے ایک مخلص شاگرد لہنا کو چنا جن کو انگد کے نئے نام سے نوازا گیا۔ لہنا نے شروع ہی سے خود کو انسانیت کی خدمت کے لیے وقف کر رکھا تھا۔ گورو نانک کو اپنی کچھ تخلیقات کو آخری شکل دینے میں انھوں نے معاونت فرمائی تھی۔ اس سلسلے میں 'جپ جی' صاحب کا ذکر خاص طور سے اہم ہے۔ سکھ دھرم کو ماننے والے صبح

کی عبادت میں اس کا پاٹھ کرتے ہیں۔ یہ چھوٹی چھوٹی نظموں کا مرقعہ ہے جس میں گورو صاحب نے خدائے برتر کا تصوّر پیش کیا ہے اور ساتھ ہی روحانی منزل اور اُس تک پہنچنے کے راستے متعین کیے ہیں۔ ان نظموں میں آپ نے مزید فرمایا ہے کہ کارِ خیر انجام دینا ہی اصل عبادت ہے۔ گورو انگد نے گورمکھی رسم الخط پر مہارت حاصل کر لی تھی۔ یہی رسم الخط گورو نانک نے اپنی تخلیقات کے لیے استعمال کیا تھا اور یہی آج پنجابی زبان کے لیے رائج ہے۔

گورو نانک نے گورو انگد کو اپنا وارث مقرّر کرتے وقت اپنے صاحبزادوں کو بھی نظر انداز کر دیا جو یہ سمجھتے تھے کہ گورو کا متبرّک عہدہ جدّی نوعیت کا ہے اور انھوں نے اس بات کا شکوہ بھی کیا۔ لیکن گورو نانک کی نظر میں کارِ عظیم کو آگے بڑھانے کے لیے ذاتی رشتوں کے مقابلے میں قابلیت اور اہلیت کی زیادہ وقعت تھی۔ جیسے جیسے سکھ دھرم ترقی پاتا گیا ویسے ویسے گورو کا عظیم عہدہ قابلِ ترین شخصیت کو پیش کرنے کی روایت مستحکم ہوتی گئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک سے ایک اعلیٰ مرتبت گورو عوام کی رہنمائی کے لیے ظہور پذیر ہوتے گئے جن کی تعلیمات نے شمالی ہند کے لوگوں کے دلوں میں انقلابی روح پھونک دی۔ ان کی تاریخ کو بے حد متاثر کیا اور اس کا دھارا ہی موڑ کر رکھ دیا، اور لاکھوں انسانوں کی نجات کا وسیلہ ثابت ہوئیں۔ سکھ مذہب جو گورو نانک کے تفکّر و انکشاف کے ذریعے سے معرضِ وجود میں آیا تھا، اسے ان کے نو وارث گوروں نے مزید قوت بخشی اور شمال مغرب سے آنے والے حملہ آوروں کی چڑھائیاں روکنے کے لیے مجاہدانہ طاقت کی شکل اختیار کی۔ یہ مذہب مغل سلطنت کے زوال اور انگریزی حکومت کے قیام کے درمیانی وقفے میں ایک نہایت شاندار ریاست کے قیام کا موجب بنا جسے انگریزوں کی ایسٹ انڈیا کمپنی نے تاریخ میں ہونے والی سب سے زیادہ خوں ریز لڑائی میں فتح کیا۔

گورو نانک کا پیغام ایک ایسے پیغمبر کا پیغام تھا جس نے نئی بصارت، نئی اقدار اور ایک ایسے سماج کو جنم دیا جس کے اپنے صفوی اوصاف تھے اور جس نے تاریخ میں منفرد کردار ادا کیا۔ وہ خود تو ساری عمر خاموشی سے درس دیتے رہے لیکن ان کی تعلیمات میں ایک محرّک بصیرت پوشیدہ تھی جس نے عرصہ دراز سے رائج روایات اور حکومتوں کو ہلا کر رکھ دیا اور دنیا کو ایک ایسا مذہب عطا کیا جو آدرش وادی، انسانی خدمت اور قربانی سے عبارت تھا۔

۲

گورونانک۔ مختلف مذاہب میں ہم آہنگی کے نقیب

گورونانک کا مشن باہمی کشاکشی پر آمادہ مذہبی عقائد کے مابین صلح صفائی کروانے کا تھا جنھوں نے آپسی جھگڑوں کی وجہ سے ہندوستان کا سماجی عکس بگاڑ کر رکھ دیا تھا۔ صدیوں سے چلا آنے والا یہ تنازعہ دو بڑے مذہبی عقاید ہندومت اور اسلام کے درمیان نہ تھا بلکہ ہر دو مذاہب کے اندر فرقہ در فرقہ پھیلا ہوا تھا اور یہ سلسلہ لامتناہی تھا۔ یہ صورتِ حال اتنی بھیانک ہو گئی تھی کہ مذہب کا وہ اصلی چہرہ معدوم ہو چکا تھا، جس کے ساتھ زندگی کی اعلیٰ قدریں وابستہ ہوتی ہیں۔ اس حالتِ زار کا تذکرہ گورونانک کی سوانح لکھتے وقت بھائی گورو داس نے یوں کہا ہے:۔

دنیا میں زوال کی مظہر
چار ذاتوں کی تقسیم ہے
اور وہ سطحیں جو انھیں جنم دیتی ہیں
سنیاسی دس حصّوں میں بانٹ دیئے گئے
اور یوگیوں کو دس فرقوں میں منقسم کر دیا گیا
یہی حال جین بھکشوؤں کا ہوا
برہنہ بھکشو
تارکِ دنیا

بحث و مباحث کا مرکز بنے
شاستر، ویدانت اور پران کی تشبیہوں کے مختلف النوع نکتے
اور ان کی شرحوں کے تضادات
حیرت ہے کہ ان کے باہمی تضاد نے
باطن کے چھتیس[36] روپ دھارن کیے
جن میں غیر فرقے پیدا ہوئے
ان فرقوں میں سے بیشتر
کالے جادو کی نذر ہوئے
زوال کا شکار بنے
اور آبِ حیات کی جستجو میں مٹ گئے
صداقت سے گریزاں
مکروہ صورتیں اختیار کرنے پر آمادہ
اور آخر کار کلجگ میں تحلیل ہوئے
کئی ندیاں موجزن رہیں
اور ایک ندی ایسی تھی
جو محمدؐ کے سانچے میں ڈھل گئی
اُن کے پیروکار بھی بہتّر[72] فرقوں میں بٹ گئے
وہ گو کہ رواں دواں رہے
جواں جواں رہے
لیکن وہ بھی عید و نماز و روزہ
اذان و وضو میں ڈھل گئے
عالم اسلام میں بھی مختلف شکلوں میں اہلِ وعظ آئے
اور پیدا ہوئے فرقے بہت

چار فرقوں میں بٹے ہندو و مسلمان
سب جنونی ہو گئے
اور کارِ زیاں میں کھو گئے
گنگ و بنارس تھے مقدس ہندو کے لیے
کعبہ و مکہ مسلماں کے لیے
رسمِ ختنہ تھی مقدس ایک مسلم کے لیے
اور ہندو ہو گئے زنّار کے فدوی سبھی
واقفِ رازِ حقیقت وہ نہ تھے
جس حقیقت کے تھے دو چہرے
رام اور رحیم
راہ صداقت سے تھے بھٹکائے ہوئے
وید و قرآن کی حقیقت بھول کر
بن گئے شیطان کے فرماں روا
اور لالچ کی ڈگر پر ہو گئے تھے گامزاں
برہمن کو اور واعظ کو نہ تھا
سچ کی عظمت پر یقین
آواگمن کے چکر سے نجات کا حصول
اس اذیت سے مفر کی سعیٔ
دونوں نے نہ کی

اس ابتر صورتِ حال کا اگر شاعر کے لفظوں میں ذکر کیا جائے تو کہا جائے گا کہ مالکِ دو جہاں کا دل انسان کی آہ و پکار سے ایسا پگھلا کہ اس نے گورونانک کو اس زمین پر اتارا تاکہ امن اور بھائی چارے کی فضا پھر سے قائم ہو سکے۔ چھوٹی سی ندی بئیں سے جب گورونانک ابھرے تو اُن کی زبان مبارک سے یہی ارشاد ہوا۔ "نہ کوئی ہندو ہے اور نہ کوئی مسلمان"۔

یہ کہہ کر انھوں نے یہ باور کروایا کہ انسان کو بانٹا نہیں جا سکتا۔ سبھی انسان ایک دوسرے کے بھائی ہیں اور باہمی ٹکراؤ کی دیواریں مصنوعی ہیں۔ خدائے برتر کی طرف سے جو کام اُن کو سونپا گیا تھا اسے پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے گورونانک نے دور دراز علاقوں کا سفر کیا۔ ہر جگہ انھوں نے ایک ہی پیغام دیا کہ تم کسی بھی مذہب کی روح کے اندر جھانک کر دیکھو تو تمھیں ایک ہی پیغام سنائی دے گا۔ ہر رسم اور ظاہری روایت میں اُسی کا نور جھلکتا دکھائی دیتا ہے۔ ایک ہی تجسّس دکھائی دیتا ہے کہ انسانی زندگی کو بہتر سے بہتر کیسے بنایا جائے اور انسان دوستی کا سبق کیسے حاصل کیا جائے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ گورونانک مختلف عقیدوں کے امتزاج کے حامی تھے، لیکن ان کے کلام پاک میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ ہاں اس کے برعکس وہ مختلف مذاہب کے درمیان مفاہمت کے خواہاں ضرور تھے۔ ان کے اس نظریے کی افادیت اسی میں ہے کہ انھوں نے کسی بھی مذہب کے پرستاروں کو یہ مشورہ کبھی نہیں دیا کہ وہ اپنے اصول دوسرے کسی مذہب کے بنیادی اصولوں میں مدغم کر دیں۔ اور نہ ہی انھوں نے مختلف مذاہب کا مرکّب تیار کیا۔ انھوں نے لوگوں کو اپنے اپنے پسندیدہ عقیدوں پر پابند رہنے کا مشورہ ہی دیا۔ ہاں ان مذاہب کے پیروکاروں کو یہ تلقین ضرور کی کہ وہ اس طرز کی زندگی گزاریں جس سے امن و آشتی اور انسان دوستی کی فضاء قائم ہو۔ اس طرح سے انھوں نے ایک عالمگیر اخلاقی ضابطہ وضع کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ راگ ماجھ کی ایک "بار" میں مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے انھوں نے پوچھا ـــــ

سچّا مسلمان کون ہے؟ پھر خود ہی اس کا جواب بھی دیا۔

'مسلمان کہلانا کتنا مشکل ہے،

سخت مشکل ہے مسلماں ہونا

مسلمان وہی کہلائے گا جو حقیقت میں اس کا اہل ہو جائے گا

فرض ہے اس پہ رہ مقدس کی

زندگی چھوڑ دے کدورت کی

جو خود کو مسلمان کا رہنما جانے
وہ حیات و موت کو نہ مانے
اور راضی بہ رائے خُدا ہو
اور اُسی کے نام پر مرمٹا ہو
ہے یہی شخص قابلِ رحمت
ہے یہی شخص خادم اسلام

(وار ماجھ گورونانک، صفحہ ۱۴۱)

پھر انھوں نے سوال اُٹھایا کہ ایک سچّے مسلمان کی پارسائی کے ضابطے کیا ہیں؟ روایتی انداز سے پانچ وقت کی نماز ادا کرنا ہرگز نہیں۔ البتہ بلند کرداری اور بلند اخلاقی ضرور ہیں۔

انسانیت سے پیار ہی مسجد ہے آپ کی
اور آپ کا مصلیٰ حق ہے صدق روی
قرآن نظم و ضابطے کا دوسرا ہے نام
طبع حلیم رکھو کرو نیکیوں کے کام
روزہ رکھو بلندیٔ کردار کے لیے
واجب ہے اس کے نام کے حقدار کے لیے
ہے کارِ خیر آپ کا کعبہ کہیں جسے
اوصافِ حق کے نُور کا چشمہ کہیں جسے
گویا یہی نماز، یہی کلمۂ خُدا
ہوگی اسی کے وِرد سے تسبیح پارسا
دفتر کھلے گا عاجزوں کا روزِ حشر جب
پاؤ گے تم ضرور صلہ نیکیوں کا تب
پڑھنے کو پانچ وقت کی پڑھتے ہو تم نماز
اس کی حقیقتوں کا بھی ظاہر ہے تم پہ راز؟

پہلی ہے حق تو دوسری ہے راستی کا نام
اور تیسری نماز کا مقصد رفاعِ عام
چوتھی کو عرفِ عام میں کہیے صدق دلی
اور پانچویں نماز سراسر ہے بندگی
کارِ نمایاں کیجیے مُسلم کہائیے
اک جیسا اپنا ظاہر و باطن بنائیے

(وار ماجھ گورونانک صفحہ ۱۴۱ - ۱۴۰)

ایک عام انسان کے لیے ہندو دھرم اور اسلام دو الگ الگ مذہب ہو سکتے ہیں، جن میں مفاہمت بظاہر مشکل نظر آرہی ہے، لیکن انھوں نے ہر شخص کو یہی تلقین کی کہ وہ ان عقائد کو، اپنے آپ کو اونچا اٹھانے کے لیے استعمال کرے اور انھیں کینہ پروری اور نفرت پیدا کرنے کا ذریعہ نہ بنائیے:-

پائے گا وہ شخص ہی تسکین ذات
راستے چاہے الگ ہوں جس کے
پر منزل ہو ایک
کینہ پرور، عیب جو اور نکتہ چیں
آتشِ دوزخ میں پھینکا جائے گا۔
یہ بساطِ کائنات
ہے اُس کے نُور سے روشن تمام
تم پہ یہ واجب ہے تم بھی
موجِ حق کے صاف اور شفاف
پانی کا کوئی قطرہ بنو

(راگ ماجھ گورونانک، صفحہ ۱۴۲)

ہے یہی حکم نوائے اسم نیک
راستے ہوں مختلف منزل ہو ایک
اس کے احکامات کو سارے سنو
اور آدابِ اطاعت سیکھ لو
نسلِ آدم سے کرو جی بھر کے پیار
سب کے سب ہوں اس کے بندوں میں شمار
قول نانک ہے اسے پورا کرو
پھر پرستش کا کوئی دعویٰ کرو

(راگ گوری، گورونانک صفحہ ۲۲۳)

۳

ذاتِ عظیم کی بصیرت

گورونانک وحدانیت کے نظریے کے حامی تھے اور انھوں نے کائنات کی متصرفانہ ہم آہنگی پر زور دیا اور اپنی ذات کو مالکِ کُل سے وابستہ کرنے پر اصرار کیا۔ انسان کی اس دلی تمنّا کا اظہار محبت کی زبان میں ہوتا ہے۔ لیکن جب محبت کی شاعری اس اظہار کے لیے ناکافی ہو تو انسانی روح کائناتی ہم آہنگی کے دیدار کے لیے ترستی ہے۔ پھر دوائم اخلاقی ضابطے جنم لیتے ہیں۔ ایک عظیم تخلیق 'جپ جی'، جو صبح کی عبادت کا ایک حصّہ ہے، اس میں دکھایا گیا ہے کہ ساری کائنات علی الصبح مناجاتِ شکر میں ڈوب جاتی ہے اور مالک دوجہاں کی تعریف کے گیت گاتی ہے۔ اس نظم کا قاری اس کی لہروں بھری موسیقی اور بھرپور تصویرکشی کے سحر میں گم ہو جاتا ہے جو ہندوستان کی روحانی روایات سے اخذ کی گئی ہیں۔ اس قدرے طویل نظم کے کچھ اقتباسات نیچے درج کیے جاتے ہیں۔

سو در کہیا سو گھر کہیا.....

کون سی مسند ہے تیری کون سا منبر تیرا\
ایستادہ جس پہ ہو کر خلق کی یہ کائنات\
ہر نظر میں ہر بشر میں ہے تیرا ہی عکسِ ذات\
سب کے سب تیرے ثناخواں\
سب پرندے سب چرندے اور سب سازِ حیات\
تیرے نغمے، تیرے سُر، تیری دُھنیں!

آگ، پانی اور ہوا
سب کے سب مصروف تیری مدح میں
چترا، گپتا عدل کے پیکر ہیں جو
معتبر ہے جن کا فرمایا ہوا
وہ بھی کرتے ہیں تیری حمد و ثنا
صرف اتنا ہی نہیں
شِو برہم اور دیوی
سب کے سب تیرے صفیر
اِندر بھی اپنے سنگھاسن پر
یوگیوں اور دیوتاؤں کے ساتھ
تیری مدح میں مصروف ہے
بڑے بڑے سُورما
صبر و قناعت کے بندے
اہلِ سخا و ثروت
اصحابِ فکر و نظر، اہلِ ہُنر
رِشی، تپسّوی، فلسفی
اپنے مقدس صحیفوں میں
تیرا ہی گن گان کرتے ہیں
دل فریب پریاں
زمین و آسماں، پاتال
چاروں طبق
تیرے عکسِ جمیل سے روشن ہیں
تیرے ہی پیدا کردہ جواہر و موتی

تیرے ہی نور سے تابندہ ہیں
ان کی نقرئی شان تیری ہی مرہونِ منّت ہے
جلالی صُورتیں، تخلیق کے سارے منبعے
ایک ہی نغمے سے سرشار ہیں
یہ کائنات، کون و مکان، ارض و سماں
یہ سبھی تیری ہی ذات کے مظہر ہیں
تُو اِن میں۔ یہ تجھ میں
سمائے ہوئے ہیں
تُو ہی ان کی تحریک کا سرچشمہ ہے
یہ سب تیرے ہی نُور میں نہائے ہوئے ہیں۔

(جپ جی ۔ ۲۷)

اس نظم کے ایک دوسرے اقتباس میں اس دائمی اقلیم کا بھید بھی کھلتا ہے۔ جہاں مالکِ دوجہاں اپنے حقیقی پرستاروں میں گِھرا رہتا ہے اور یہ جگہ صرف نجات پائی ہوئی مقدّس روحوں کی مسکن ہے۔ یہاں لامحدود کائنات کے اسرار منکشف ہوئے ہیں۔ یہ نظم 'جپ جی' کا اختتامیہ حصّہ ہے:۔

تیری رحمتوں کا دائرہ
وسیع و عریض ہے
ان میں پناہ گزیں تیرا ہی روپ ہیں
ان کی قوّت تجھ سے ہے
ان کا ضمیر اور ان کی بیداری تجھی سے ہے
ان میں سیتا بھی ہے جو حُسن کا پیکر ہے
اور سیتا جیسی اور بھی دیویاں ہیں
جن کا حُسن بیان سے باہر ہے۔

سب اشیاء اور اشکال تجھ میں پیوست ہیں
کوئی فریب ان کے فریب کو ماند نہیں کر سکتا
یہ فنا کی حدود سے باہر ہیں
کتنے عالم ہیں
کتنے دلوں میں تو سمایا ہوا ہے
سرورِ سرمدی، ایک لافانی کیفیت کا مظہر
سب پر تیری رحمتوں کا سایا ہے
تو سب میں سمایا ہے۔ (جپ جی ۳۸)

ایک نظم جس میں موزونیت کا مکمل تناسب پایا جاتا ہے۔ اپنے مالک کی پرستش کی خواہش اور لامحدود روحانی بھوک کا واضح طور پر اظہار کرتی ہے۔ حواس خمسہ کی تکمیل کی خواہش اور 'یوگ' کے ذریعے حاصل کردہ حیرت انگیز کارناموں کو عبادت اور پرستش کے مقابلے میں کوئی مقام حاصل نہیں ہے۔ یہ نظم جو "راگ سری" میں باندھی گئی ہے اور یوں ہے:۔

لعل و جواہر سے تعمیر شدہ قصرِ عظیم
جس پر کستوری، زاعفران اور صندل کا روغن نمایاں ہے
جس کی خوشبو مسحور کُن ہے
یہ حُسن، یہ دلفریب منظر، یہ مسرّت
اگر تمہیں خالقِ دو جہاں سے دُور لے جائیں
اور اُس کی یاد دل سے محو کر دیں
تو کیا ممکن ہے
کہ میں سانس لے سکوں
اور اس کے بغیر جی سکوں؟
آغوشِ خالق ہی حقیقی پناہ گاہ ہے
نہ تخت و تاج نہ اطلس و کمخواب میں ہے

نہ جاہ وجلال میں اور نہ کسی کمال میں ہے
سبھی لعل وجواہر اور ایسے مظاہر
تمہاری گمرہی کا سبب ہوں گے
آخر میں کیا کروں، کدھر جاؤں
اپنی کنڈلی کو بیدار کروں
معجزوں میں کھو جاؤں
غرق ہو جاؤں
اپنا جواز بن جاؤں
مائل کروں انسان کو تیری عبادت کے لیے
دلِ ناداں خبردار! خبردار!!
جاہ وحشمت ڈھونڈوں
ہوس کے پیر چوموں
نانک یہ سب فریب ہے، خلا ہے
سنبھل جا، سنبھل جا، یاد رکھ، یاد رکھ
خالق کی راہ، اصل راہ ہے
جس میں تیری پناہ ہے

(سری راگ - ا صفحہ ۱۴)

موزونیت کے تناسب کے لحاظ سے نظم کے اختتامی حصے میں ربّی بصیرت اور جلالِ خدائی پر بھرپور روشنی ڈالی گئی ہے۔

اگر میں تا حشر زندہ رہوں
یکا و تنہا، سب سے الگ
نہ دیکھوں چاند تارے
یہ پُر رونق نظارے

بے خواب رہوں
تب بھی ممکن نہیں
تیری عظمت کا دیدار
لاانتہا تیری عظمت
میری فہم سے بالاتر ہے تُو
تجھی میں تجھ کو دیکھوں
تیری عظمت کا راز جانوں
اور تجھ کو پہچانوں
خس و خاشاک کی مانند
راکھ کا ڈھیر ہو جاؤں
تب بھی ممکنات میں نہیں
کہ تجھے پا سکوں
فاصلے مٹا سکوں
ہو بھی جاؤں جو صورت طائر مائل پرواز
آسمان پر کمند ڈال سکوں
اور آنکھوں سے دور ہو جاؤں
سبھی لوازمات سے منہ پھیر لوں
کیا تب بھی تیری بارگاہ تک رسائی ممکن نہ ہو گی
کیا تب بھی میں تیری عظمت کا راز نہ پا سکوں گا
نانک تیری دانائی
تیری فہم و فراست
تیرا علم و ہنر
کتنے دفتر سیاہ کیے تم نے

حرف نا معتبر لکھا
تب بھی ممکن نہ ہوا
اُس کی عظمت کا راز پانا
وہ بیان سے باہر ہے
وہ نشاں سے باہر ہے

(سری راگ، ۱۴، ۱۵)

روحانی تجربے کا استعجاب اس وقت اپنی انتہا کو پہنچتا ہے جب خدائے برتر ساری کائنات پر چھایا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ راگ سوہی میں مرتب کی گئی نظم میں سونا اور کسوٹی کا استعارہ استعمال کیا گیا ہے۔

کہاں کا ترازو اور کہاں کا انصاف
کون جوہری
تجھے فہم میں لائے
کدھر جاؤں؟
کہاں مالکِ کون و مکاں کو پاؤں
بعید از ممکنات تیری رسائی
کون دانا
ذہن کس کا رسا
جو تیری عظمت کے راز جانے
میرے محبوب!
میں کیسے جانوں تجھ کو
ہر جگہ ہے تو
بحر و بر میں
عرش پر بھی فرش پر بھی

دل کے ترازو میں بٹھاؤں تجھ کو
روح کو تول پہ مامور کروں
سارے اوہام کو میں دور کروں
علین ممکن ہے سکوں پا جاؤں ——— !
وہ ہی خود بیچنے والا ہے، خریدار بھی ہے
اور ہے خود ہی تاجر اپنا
وہ تو اک ہستیٔ بے پایاں ہے
اور میں جاہل مطلق ہوں ——— اسیر خواہش
اور نانک تو ہے اک بندۂ بے نام و نمو
ایسی صورت میں ہو ہموار کہاں راہِ وصال

(سُوہی ۔ ۹ ، صفحہ ۷۳۰)

قدرت اپنے رنگا رنگ وجود کے وسیلے سے گورو صاحب کے تخیّل کو متحرک کرتی ہے اور مالکِ کُل یعنی خالق کا نظارہ کرواتی ہے ۔ عام طور پر قیاس کیا جاتا ہے کہ گورو نانک نے یہ بھجن جگن ناتھ پوری میں تخلیق کیا تھا جہاں وشنو کا مندر ہے ۔ اُس وقتِ کشتی میں اَن گنت دیئے روشن تھے جن کو لہرا لہرا کر مورتی کی پوجا کی جا رہی تھی ۔ گورو صاحب نے محسوس کیا کہ نہ صرف مندر کے پجاری بلکہ ساری کائنات ، جیسے آسمان ، ستارے ، سورج اور چاند ، زمین پر اُگی ہوئی ہر شئے اور پہاڑوں سے آتی ہوئی معطر ہوا ، غرض کہ ہر شئے بھگوان کی پرستش میں مصروف ہے ۔ اس اصل مناجات کی تفسیر و تشہیر ناممکن ہے ۔ تاہم ذیل میں درج تجزیے میں اس کی حقیر سی کوشش کی جاتی ہے :۔

آسمان میں کتنے چراغ روشن ہیں
ماہتاب و آفتاب
کہکشائیں بے شمار
اور زمین پر کوہسار و مرغزار

ان میں ہے تیری ہی خوشبو، تیری ٹھنڈک، تیرے موسم، تیری آن تیری بان
گُل تیرے، بادِ صبا تیری، شفق تیری، دھنک تیری
ساری خلق آرتی تیری
تُو حیاتِ جاوداں کا ہے نشاں
تیری مدح اور تیری حمد و ثنا
تُو روحانی وجد کا سرچشمہ ہے
کتنے چہرے، کتنی آنکھیں، کتنے منظر، کتنے رنگ
پھر بھی تُو پنہاں نظر ہے
ہر جگہ چھوڑے ہیں تو نے کتنے ہی نقشِ قدم
رنگ برنگے پیرہن
سب میں شامل بھی ہے تُو
اور سب سے منفرد
یہ عجب فطرت تیری
یہ عجب ندرت تیری
روشن ہے تیرے حسن سے یہ انجمن تمام
رعنائیاں، برنائیاں
سب تیری پرچھائیاں
تُو مینارِ روشنی
تُو دیارِ روشنی
اور تیرے حکم کے سب ہی غلام
اے میرے مالک تجھے صد صد سلام
میں ترستا ہوں ترے اک لمس پا کے واسطے
ہر چند یہ تشنگی سیراب نہ ہو گی

ہو سکے تو مجھے آبِ بقا پلا
اور نانک کو سرخرو کر ______

(کیرتن سوہیلا ، صفحہ ۱۳)

گرو نانک کے روحانی تجربے سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ ہر شئے کی ہم آہنگی اُسی کا مظہر ہے اور ہر ذرّے میں اسی کا عکس فروزاں ہے ۔ اپنے احساس کو انھوں نے مختلف طریقوں سے بیان کیا ہے اور یہ طرزِ اظہار ساری دنیا کی روحانی شاعری میں ایک جیسا ہے ۔ نیچے دیئے گئے دو اقتباسات اس تجربے کی گہرائی کو نمایاں کرتے ہیں :۔

کنول کی مانند الوہیت
آب میں ہے
لیکن پانی اسے چھو نہیں سکتا
عکس لہرا رہا ہے پانی میں
کچھ دور نہیں کچھ پاس نہیں
ہر لمحہ وہ قریب بھی ہے دور بھی ہے
سب کچھ تجھی میں ہے
کچھ اندر نہیں کچھ باہر نہیں
رضائے خالق نفس نفس میں رواں دواں ہے
اے بھرتری یہی ہے قول نانک
اور یہی ہے اُس کی فکر کا ثمرہ

(آسا اشٹ پادیان ۔ ۱ صفحہ ۴۱۲ - ۴۱۱)

خود ہی ماہی خود ہی ماہی گیر
خود ہی آب ہے خود ہی دامِ صد رنگ
خود ہی اسیر ، خود ہی صیاد

بیش بہا موتی بھی خود ہی
خود ہی غوطہ خور
اے سکھی
اُس کے ہیں کتنے رُوپ سرُوپ
خود ہی اندھیرا خود ہی دھُوپ
جو بھی اس کا وصال کرے گا
خود کو مالا مال کرے گا
تُو میری طرف دیکھ
نانک بڑے عجز و انکسار سے گویا ہے
تُو جھیل ہے اور مَیں اُس میں تیرتی ہوئی ایک بطخ
تُو ہی کنول ہے، کنول کی پتیّاں بھی تُو
غنچۂ ناشگفتہ بھی تُو
تُو اپنے جاذبِ نظر حسُن کو دیکھ
اور مسرت سے جھوم جا ــــــــ

(سری راگ ۲۵، صفحہ ۲۳)

۴

گورو نانک کی اہم تخلیقات

مخفی فلسفیانہ عقائد

گورو نانک کی شاعری میں ایک ایسا فلسفہ ہے جو بظاہر نظر نہ آنے پر بھی صاف صاف جھلکتا دکھائی دیتا ہے۔ ان کے پاک کلام میں خالق کا باوصف اور بے وصف روپ ہمیشہ اُبھرتا ہے۔ چونکہ وہ خالق ہے اس لیے اس سے عقیدت اور اس کی پرستش لازم ہے۔ وہی اس کائنات کی اخلاقی قدروں کا پاسدار ہے۔ اس نظریے کو ہندوستانی مکتبۂ فکر میں 'دھرم' کا نام دیا گیا ہے۔ اس 'دھرم' کا محور سچائی اور دنیا کی بھلائی ہے۔ بدی اسی کو ہمیشہ للکارتی رہتی ہے لیکن بالآخر جیت اسی کی ہوتی ہے۔ گورو نانک نے 'رام کلی' وار میں اس سچّائی کو اس طرح بیان کیا ہے ــــ بُرائی ختم ہو جاتی ہے اور آخر میں سچّائی ہمیشہ زندہ رہتی ہے۔ اگر غور کیا جائے تو اُن کا یہ قول ہندوستانی عقیدے کے عین مطابق ہے کہ سچ کی نہ کہ جھوٹ کی ہمیشہ فتح ہوتی ہے۔

اس کے بعد انھوں نے روحانی راہ کی حقیقت کا بیان کیا ہے۔ اَن گنت جنم لینے کے بعد ہم کو انسانی جامہ میسّر آیا ہے۔ ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ عبادت کے ذریعے ہم حیات و موت کے اس چکّر سے ہمیشہ کے لیے نکل جائیں اور نجات حاصل کرلیں۔ لیکن اسے حاصل کرنے کے لیے نہ تو ہمیں یوگ کے کرتب ہی مددگار ثابت ہوں گے اور نہ ہی سنیاس۔ صرف ایک ہی راستہ ہے جس کا نام ہے 'سہج' صرف اسی کے نام سے لگن لگاؤ۔ ایشور کی بھگتی اور اس سے محبت کرو۔ انسانوں کی اس دنیا کی فلاح و بہبود کو اپنا نصب العین جانو۔ روحانیت کے اس عمل میں اخلاقی ضابطے کو کبھی ہاتھ سے مت جانے دو۔ دھرتی یعنی زمین کو 'جپ جی' میں 'دھرم سال'

کا نام دیا گیا ہے۔

گورونانک کے فلسفے کا دوسرا لازمی عنصر محبت ہے، خدائے برتر سے محبت انسان کے بُرے قول وفعل کے لیے دو قانون ہمیشہ سے لاگو رہے ہیں۔ ایک عمل اور دوسرا مہربانی۔ بُرائی کرنے والے کو ہمیشہ سزا ملنی چاہیے۔ ہندوستانی نظریۂ فکر میں 'دھرم راج' عدل وانصاف کی علامت ہے۔ انسان غلطیوں کا پُتلا ہوتے ہوئے بھی دامن بچا سکتا ہے۔ اسے اپنے قول وفعل پر ہمیشہ نظر رکھنی چاہیے اور غلط کاریوں کے لیے ہمیشہ معافی اور رحم کا طالب رہنا چاہیے۔ اگر انسان صدقِ دل سے معافی کا خواستگار بنے تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ معاف نہ کیا جائے۔

گورونانک نے فرمایا ہے کہ جس طرح آگ کی معمولی سی چنگاری لکڑی کے بڑے سے بڑے ڈھیر کو جلا کر راکھ کر دیتی ہے اسی طرح سچی بھگتی بھی انسان کے ہزاروں گناہوں کو ختم کر سکتی ہے۔

گورونانک کے پرستار اور شاعر بھائی گورداس نے یوں فرمایا ہے: "اگر انسان خدا کی طرف ایک قدم بڑھائے تو خدا اس کی طرف لاکھ قدم بڑھاتا ہے۔

اس کائنات میں حکم الٰہی چلتا ہے۔ حاکم سزا اور جزا دونوں کا موجد ہے۔ اس کے قانون سے کوئی بالا نہیں ہے۔ اگر اس کے اس قانونی نظام کو عمل پیرا دیکھنا ہو تو انسان کو پہلے اپنی انا کو ترک کرنا پڑے گا۔ کیونکہ انا ہی ساری برائیوں کی جڑ ہے۔ 'مایا' کی تین صورتیں ہیں جو انسان کو گمراہ کرتی ہیں اور بدی کے پانچ ماخذ ہندوستانی فلسفے کے اہم جز ہیں۔

اسی طرح کے فلسفیانہ خیالات گورونانک کی شاعری میں عام ملتے ہیں۔ لیکن سلسلہ وار یا کسی ترتیب سے یا براہ راست نہیں جیسے مثلاً گیتا، میں گورونانک کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے ان خیالات کو شاعری کا لبادہ پہنایا ہے۔ اگر گرونانک کے الہامی کلام کے مجموعی فلسفیانہ تصوّر کو سمجھنا مقصود ہو تو ان کے روحانی وارثوں کے کلام کا گہرائی سے مطالعہ کرنا ازحد ضروری ہے۔

شعری تخلیقات

گورونانک کی بہت سی تخلیقات چوپائیوں (قطعات) کی شکل میں موجود ہیں۔ یک رنگی اور تسلسل اُن کے کلام کے اوصاف وافر ہیں۔ لیکن جب یہ چوپائیاں کسی خاص راگ میں مرتب ہوں تو زورِ بیاں کا فرق صاف دکھائی دیتا ہے۔ ان کے کلام کے موضوعات زیادہ تر اخلاقی

فلسفیانہ اور عبادت سے متعلق ہیں۔ لیکن اس کا مجموعی تاثر عموماً کائناتی بصیرت اور اخلاقی فلسفہ ہی ہوتا ہے۔ ہیئت کے اعتبار سے (CHHANTS) زیادہ واضح ہیں جو کہ بنیادی طور پر غنایت سے بھرپور ہیں۔ ان چوپائیوں میں گورونانک نے دوسرے مصرعے کے آخر اور تیسرے کے شروع میں کنڈلی دار مصرع موزوں کرنے کی تکنیک کو اپنایا ہے (CHHANT) کی بہترین مثال "اخلاقی تلاش" نامی نظم ہے جو ان الفاظ سے آغاز ہوتی ہے:- تم تن ہرنا...

کچھ شلوک جو 'واروں' میں جگہ جگہ ملتے ہیں۔ گوروگرنتھ صاحب کے اختتامی حصے میں بھی پائے جاتے ہیں۔ یہ شلوک اخلاقی اور فلسفیانہ موضوعات کو لے کر بڑے بلیغ انداز میں تخلیق کیے گئے ہیں۔

'جپ جی' گورونانک کی اہم تخلیق ہے اور اس کا ورد کرنے کے لیے صبح کا وقت تعین کیا گیا ہے جس کو سکھوں کی اصطلاح میں "امرت ویلا کہا جاتا ہے۔ اس کے لگاتار ورد کرنے سے نجات حاصل ہوتی ہے اور بدروحوں کے اثر سے تحفظ ملتا ہے۔ 'جپ جی' صاحب کے شروع میں "مول منتر" ہوتا ہے جس میں خدائے برتر کی توصیف میں گورو صاحب کے فرمائے ہوئے چند جملے درج ہیں۔ مول منتر ہر اس موقع پر پڑھا جاتا ہے جب مالکِ دوجہاں کی بخشش اور رحمت درکار ہو یا کسی کو سکھ مذہب میں شامل کیا جانا مقصود ہو۔ یہ اپنی ماہیئت میں موحدانہ ہے۔ سکھ روایات کے مطابق اس پروردگار کا نام 'ایک اونکار' بھی ہے۔ گوروگرنتھ صاحب میں مول منتر کے بعد 'جپ جی' آتا ہے۔ ہر پوڑی کے شروع اور آخر میں ایک ایک شلوک بھی درج ہے۔ 'جپ جی' کی نظمیں بے شک چھوٹی چھوٹی ہیں لیکن پھر بھی ان میں خدائے برتر کا ذکر پُرحکمت اور مربوط طرزِ بیان میں کیا گیا ہے۔ اس کی قوت، اُس تک پہنچنے کا راستہ رحم و کرم کے قوانین اور آخر میں اُن پانچ 'کھنڈوں' کا ذکر کیا گیا ہے جن کے ذریعے انسان کا نرنکار میں پوری طرح سے استغراق ہو جاتا ہے۔ اختتامیہ بند بہت ہی بصیرت افروز ہیں۔ مالک کی شان میں کہا گیا ایک عظیم شبد (   ) اور ہٹھ یوگ کی تنقید میں لکھے ہوئے چھوٹے چھوٹے چار بند بھی شامل ہیں۔

صبح سویرے بڑے مجمع میں سنائی جانے والی گورو صاحب کی ایک اور تخلیق "آسا دی وار"

ہے۔ یہ ایک پُر تجسّس نظم ہے جس کے ۲۴ بند ہیں اور بیچ بیچ میں کہیں کہیں شلوک اور متفرق اشعار بھی درج ہیں۔ ان بندوں کے ذریعے یہ بتایا گیا ہے کہ خدائے برتر کیا ہے اور اس کے رحم و کرم کو حاصل کرنے کا راستہ کون سا ہے؟ ان شلوکوں میں، جن میں گورو نانک کے روحانی وارث گورو انگد کے بھی کچھ شلوک شامل ہیں۔ مذہب اور سماج میں پنپ رہی دروغ بیانی اور مکّاری کا پردہ فاش کیا گیا ہے۔ ان شلوکوں میں روحانی بصیرت سے کام لیتے ہوئے جھوٹ کا قلع قمع کیا گیا ہے تاکہ جھوٹے مذہبی رسم و رواج اور انسانی ریاکاری سے سماج کو ہمیشہ کے لیے پاک وصاف کیا جاسکے۔ خورد نوش کی رسمی پوِترتا، جذباتی ہیجان پر قابو پائے بغیر مقدس دھاگہ یعنی 'جنیو' کی طاقت کی 'ڈینگ مارنا' 'سوتک (یعنی عہدِ زچگی) کو غلیظ تصوّر کرنا اور سماج میں عورتوں کو کم تر درجہ دینا جیسی باتیں بھی گورو صاحب کے زیرِ تنقید آئیں۔ انھوں نے پاپ کی کمائی سے دان یا بخشش دینے کو غلیظ قرار دیا۔

گورو نانک کی تخلیق کردہ ایک اور وار ہے جس کو راگ ماجھ میں ترتیب دیا گیا ہے۔ حالانکہ یہ 'وار' "آسادی وار" کے مقابلے میں کم مقبول ہے پھر بھی روحانی زندگی کا صحیح کردار سامنے لانے کے لیے اور بشارت پیدا کرنے کے لیے اتنی ہی متنوّع ہے۔ اس نظم کے شلوکوں کا خاص پہلو یہ ہے کہ کسی کو بھی اپنا تقدس ثابت کرنے کے لیے چمتکار دکھانے پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا گیا ہے۔ دنیاوی طاقت کا جابرانہ مظاہرہ کرنے والوں کی کڑی سرزنش کی گئی ہے۔ اور الہامی پیشین گوئی کی گئی ہے کہ ایسے لوگوں کا انجام بہت بُرا ہوگا۔ اس وار میں بھی تعصب زدہ مسلمانوں سے کہا گیا ہے کہ وہ اپنے مذہب کی پیروی کرتے وقت انسان دوستی کے دائرے کو وسیع کرنے کی کوشش ضرور کریں۔ اس 'وار' کے کچھ اقتباسات اس کتاب میں درج کیے گئے ہیں۔

اونکار جسے راگ رام کلی دکھنی میں ترتیب دیا گیا ہے' ایک عرفانی نظم ہے۔ اس نظم کے ذریعے بہت گہرے فلسفیانہ اور اخلاقی درس دیئے گئے ہیں۔ یہ بھی ایک طویل نظم ہے جس کے متعدد بند ہیں۔ ایک اور تخلیق 'سولہا ہے (سولہ بندوں کی نظم) جو راگ مارو' میں مرتب ہوئی ہے۔ اس میں بھی ایسے ہی خیالات کا اظہار فرمایا گیا ہے۔

گورو نانک کی نمایاں تخلیقات میں ایک نظم "سِدھ گوشٹی" ہے جسے 'راگ رام کلی' میں باندھا گیا ہے۔ اس نظم کے تہتر بند ہیں۔ اس میں بھی گورو صاحب نے یوگ کے اصلاحی پہلوؤں پر بڑی دقیق بحث کی ہے۔ یہ نظم ایک مکالمے کی صورت میں ہے جو گورو نانک اور یوگیوں یا سدّھوں کے درمیان ہوتا ہے۔ اس مباحثے میں جہاں یوگی اس بات پر مصر ہیں کہ یوگ اور اس کے مسلّمہ دستور ہی کو برتری حاصل ہے وہاں گورو نانک اپنے موقف میں فرماتے ہیں کہ صدق دِلی سے کی ہوئی عبادت یا اِسم اعظم کا وِرد ہی سب سے بڑا یوگ ہے۔ اس تخلیق کو سمجھنے کے لیے بہت زیادہ ذہنی کاوش کی ضرورت ہے۔ اس کے مکالموں میں بہترین قسم کا ڈرامائی عنصر پایا جاتا ہے اور یہ نظم یوگیوں اور گورو صاحب کے درمیان سوال و جواب کا ایک طویل سلسلہ ہے۔

گورو نانک کی چار نظموں کا ایک اور مرقع ہے جو 'راگ آسا' اور 'تلنگ' میں ترتیب دی گئی ہیں۔ ان نظموں میں بابر کی سپاہ کی طرف سے پنجابی عوام پر ڈھائے گئے مظالم اور عورتوں کی بے حرمتی پر گورو صاحب کے ذہنی کرب کا اظہار ملتا ہے۔ یہ نظمیں انسانیت کے جذبے سے لبریز ہیں اور اخلاقیات پر مبنی فلسفے سے سرشار ہیں۔ ہرزہ سرائی کی زندگی جینے کا انجام رنج و غم ہی ہوتا ہے۔ حکومت کرنے کے اہل وہی لوگ ہیں جو لوگوں کی فلاح و بہبود کے لیے کام کریں۔ خدائے برتر کے کام گو انسانی فہم و ادراک سے بالا ہیں تاہم حق و انصاف کا سرچشمہ ہوتے ہیں۔ جو لوگ اپنے اخلاقی فرض سے کوتاہی برتتے ہیں ان پر بابر جیسے لوگوں کا قہر نازل ہوتا ہے۔

موت کے موضوع پر دل ہلا دینے والی نظمیں 'الاہونیاں' 'راگ وڈھانس' میں ترتیب دی گئی ہیں۔ موت یقینی ہے اور یہ لواحقین کے لیے ہمیشہ رنج و غم کا باعث بنی ہے۔ گورو نانک نے اس حقیقت سے کبھی منہ نہیں موڑا بلکہ ہر بار اس کا شدت سے اظہار کیا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ جیسا کہ ان کی دوسری تخلیقات سے بھی واضح ہے، موت سے پیدا ہونے والی افسردگی پر قابو پانے کا راستہ بھی بتایا ہے۔ اور وہ راستہ ہے خدائے برتر کی یاد میں زندگی گزارنا اور اس کی رضا میں راضی ہونا۔ ایسا کرنے سے موت کا خوف مٹ جاتا ہے۔ 'الاہونیاں' پنجاب میں کسی کی موت کے موقع پر رسمی سوگ کا اظہار کرتی ہیں۔ یہ لوک شاعری کی مقبول ترین صنف

ہیں اور انھیں حیات و ممات کے فلسفے کو سمجھنے اور موت کے خوف سے نجات پانے کا ذریعہ تصوّر کیا گیا ہے۔

سب سے آخر میں 'بارہ ماہ' (یا موسم کا گیت) کا ذکر آتا ہے جسے راگ "تکھاری" میں بٹھایا گیا ہے۔ گورو گرنتھ صاحب میں بھی یہ کلام پاک کے آخری صفحے کی زینت ہے۔ یہ غنایت سے بھرپور تخلیق ہے جسے ہندی اور پنجابی لوک گیتوں کی طرز پر فکر کیا گیا ہے۔ ان گیتوں میں فرقت زدہ عورت کے جذبات کی بھرپور ترجمانی کی گئی ہے جو بدلتے ہوئے موسموں میں فراق کی اذیت کو شدّت سے محسوس کرتی ہے۔ گورونانک نے اس طریقِ کار کو اپنا کر یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ کس طرح سے فراق کی آگ میں جلتا ہوا انسان اپنے خالق کے وصال کے لیے ترستا ہے۔ گورو صاحب نے انسانی عشق و محبت کی داستان سے علامتی پیکر تراشے ہیں اور ان کے وسیلے سے روحانی اشتیاق کا اظہار فرمایا ہے۔ ایک اداس اور تنہا عورت کس طرح گرمی، برسات اور سردی کے موسموں کی سنسان راتیں اپنے محبوب کی جدائی میں گزارتی ہے' یہ وہی جانتی ہے۔ ایسی عورت کی ذہنی کیفیت کا اظہار جس ڈھنگ سے گورو صاحب نے موسیقی کے ڈوبتے اُبھرتے سُروں کا سہارا لے کر کیا ہے' اس کی مثال ملنا ناممکن ہے۔ آخر کار پھاگن کے مہینے میں (مارچ/اپریل) اس برہن کا وصال اپنے محبوب سے ہو ہی جاتا ہے اور پھر چاروں طرف موسم بہار کی پھلجھڑیاں چھوٹتی دکھائی دیتی ہیں جو اس بات کی علامت ہیں کہ زندگی بھر کے انتظار و اشتیاق کا صلہ آخر پا ہی لیا۔

گورونانک کے تخلیقی سفر میں اس طرح کے مضامین عام پائے جاتے ہیں، جو اس کتاب میں مختلف عنوانات کے تحت درج ہیں۔ ان کے مطالعے سے گورو صاحب کی ہمہ گیر شخصیت کو سمجھنے میں بہت مدد ملتی ہے۔

۵

زبان اور اثرات

گورونانک کی آخری تخلیقات میں ہندوستان کی لسانی روایات سے اخذ کیے گئے لاتعداد الفاظ کا استعمال ہوا ہے۔ برجی ہندی، جو اس وقت پنجاب اور اس کے قرب وجوار میں فلسفیانہ اور روحانی موضوعات کے اظہار کا ذریعہ تھی، کے علاوہ سندھی، ہریانوی اور راجستھانی زبانوں کے الفاظ بھی استعمال میں لائے گئے ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ گورونانک نے خود ان علاقوں کے دورے کیے اور ان جگہوں کے متلاشیانِ حق، روحانی سچائی کی تلاش میں خود چل کر گوروصاحب کی خدمت میں بھی آئے۔ گورونانک کی شاعرانہ زبان کا ایک اہم پہلو فارسی اور عربی کے الفاظ کا استعمال بھی ہے جو اس وقت کے پنجاب میں بولے جاتے تھے۔ اپنی عبادت کی ضرورتوں کے پیش نظر انھوں نے اسلامی دینیات کی اصطلاحات کا بھی عام استعمال کیا ہے اور اس طرح اسلامی روایات سے ان کی گہری واقفیت کا بھی پتہ چلتا ہے۔ اپنے روحانی تجربات کے اظہار کے لیے وہ عربی اور فارسی الفاظ کا استعمال نہایت عمدہ طریقے سے کرتے ہیں۔ جہاں انھوں نے ہندوستانی روایات کے پیش نظر لفظ "پرساد" کا استعمال کیا ہے وہاں 'مہر' (فارسی) اور 'کرم' اور 'ندر' (عربی) کے الفاظ بھی بار بار دیکھنے کو ملتے ہیں۔ آخری لفظ 'ندر' ان کے ہاں اپنی اصل صورت میں برتا گیا ہے جسے آج ہم 'نظر' کے تلفظ سے پکارتے ہیں۔ نظر سے مراد 'نظرِ کرم' ہے۔ گوروصاحب نے زبان کے استعمال میں کبھی بھی کسی قسم کا تعصب روا نہیں رکھا، یہاں تک کہ جب 'یوگا' کو انھوں نے قابلِ ترک جانا اس کی اصطلاحات کے استعمال سے بھی گریز نہیں کیا۔

ان کی اصل وانی (مقدس کلام) تو پنجابی میں ہے جو مغربی حصے کی عام بول چال کی زبان

تھی۔ اس زبان میں اُس ہندی کے الفاظ بھی شامل ہو گئے ہیں جو مسلم دَور کے شمالی ہند کے روحانی پیشوا اپنے ارشادات میں عام طور سے استعمال کرتے تھے۔ یہ زبان آج کے قاری کو بھی آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے اور وسطی دَور کی انگریزی کی طرح نہیں، اور نہ ہی چوسر کی شاعری کی طرح ہے۔ سوائے اس کے کہ اس کے اسلوب بیان میں وہ لذّت یا چاشنی پائی جاتی ہے جو متصوفانہ اور پُراسرار مسائل کو بیان کرنے کے لیے استعمال کی جاتی تھی۔ یہ زبان عام پنجابی قاری کی سمجھ میں آنے والی ہے اور قرونِ وسطیٰ کی ہندی شاعری کی روایات سے عین میل کھاتی ہے۔

قدیم ہندی شاعری اور پنجاب کی 'لوک شاعری' کی متعدد روایات سے استفادہ کیا گیا ہے۔ یہ ساری شاعری بحر اور وزن میں ہے جس کی وجہ سے اسے پڑھنے اور ذہن نشین کرنے میں آسانی ہوتی ہے۔ اس پاک کلام کا بنیادی مقصد یہی ہے کہ بھگت لوگ اکیلے میں یا بڑے مجمع میں اِسے پڑھ کر ذاتی اور اجتماعی طور پر روحانی حظ اٹھائیں۔

اس کلام کی اہم ترین اصناف میں 'چوپدے'، 'اشٹ پدی' چھانت اور واریں شامل ہیں۔ ایک صنف اور بھی ہے جسے 'بِٹی' کا نام دیا گیا ہے۔ اس سے بھی اخلاقی اور روحانی تعلیم دینا ہی مقصود ہے۔ گورو نانک کے وارثوں نے اس مقدس کام کے لیے شاعری کی دوسری مقبول اصناف کا بھی بھرپور استعمال کیا۔ گورو گرنتھ صاحب کے آغاز میں جگہ پانے والی تخلیق 'جپ جی صاحب' کے علاوہ گورو صاحب کی باقی ساری وانی (قرونِ وسطیٰ کی ہندی شاعری کی طرح) ہندوستانی کلاسیکی راگوں میں ترتیب دی گئی ہے اور آج تک بھی یہ وانی انھیں طے شدہ راگوں ہی میں ادا کی جاتی ہے۔ طویل نظموں کے ساتھ 'شلوک' بھی دیئے گئے ہیں۔ گورو گرنتھ صاحب کے اختتامیہ حصّے میں گورو صاحب کے متعدد شلوک یکجا کیے گئے ہیں۔ ان شلوکوں کے ساتھ ساتھ گورو کے مقدس منصب پر فائز ہونے والے گورو نانک کے وارثوں اور بھگتوں کے شلوک بھی ان صفحات کی زینت بنے ہیں۔

گورو صاحب نے اپنی تعلیماتی نگارشات کے لیے تشبیہات اور استعارے عام زندگی کے تجربات سے اخذ کیے ہیں۔ وہ چاہتے تھے کہ ان کو پڑھ کر انسان کے تخیّل میں حرکت پیدا ہو اور وہ اپنے

دل کی گہرائیوں میں جھانکے تاکہ اسے اخلاقیات اور رُوحانیّت سے دلچسپی پیدا ہو اور دنیاوی کشش سے اپنے دامن کو بچائے رکھے۔ گورو صاحب کے مقدس کلام کا بیشتر حصّہ پنجابی عوام کے لیے ضرب المثل کی حیثیت رکھتا ہے اور لوگوں کے دل و دماغ کو منوّر کر رہا ہے۔ ''سہج پکے سو میٹھا ہوئے''، جس کا مطلب ہے کہ صبر و استقلال کا پھل ہمیشہ میٹھا ہوتا ہے۔ اسی طرح کا دوسرا کلمۂ حق ہے ''ندرا بھی جو کرے سلطاناں گھا کریندا'' ۔۔۔ اس میں انسان کو تنبیہ کی گئی ہے کہ طاقت کا نشہ انسان کو اندھا بھی بنا دیتا ہے۔ ایک بہت ہی مشہور کہاوت ہے: ''ودیا بچاری پُر اُپکاری'' مراد یہ کہ علم کو ہمیشہ ہی انسانیت کی بے لوث خدمت کے لیے وقف ہونا چاہیے''۔ ''دھول دھرم دیا کا پوت''، کا مطلب یہ ہے کہ رحم کا جذبہ ہی انصاف پسندی اور راستی کو جنم دیتا ہے۔ ''گورو نانک دکھیا سب سنسار''، دنیا کے سب لوگ کسی نہ کسی غم میں مبتلا ضرور ہیں۔ اگر ہم گورو صاحب اور ان کے روحانی وارثوں کے مقدس کلام کا بہ غور مطالعہ کریں تو ایسی متعدد مثالیں اور بھی مل جائیں گی، خصوصاً دنیاوی شان و شوکت کی فنا پذیری یا انسانی غرور کے زوال جیسے موضوعات پر تو بہت کچھ ارشاد فرمایا گیا ہے۔ ان کا طرزِ اظہار بھرپور اور رنگ دار ہے۔ اُن کے کلام کے یہی اوصاف انہیں عظیم ترین اخلاقی رہنما بناتے ہیں۔

اگر ہم گورو نانک کی تخلیقات کو صرف شاعری ہی کے آئینے میں دیکھیں تو ہمارا یہ فعل نہایت گستاخانہ ہوگا۔ یہ نگارشات الہامی ہیں اور سکھ نظریے کے مطابق حیرت انگیز انکشافات کی حامل ہیں۔ اگر ان تخلیقات کی قوت اور ان کے اثرات کو کلّی طور پر سمجھنا مقصود ہو تو ان کا مطالعہ اوپر کی گئی باتوں کی روشنی ہی میں کیا جانا چاہیے۔ گورو نانک نے ایک جگہ خود اپنے آپ کو شاعر کہا ہے اور دوسری جگہ 'ڈھاڈی' جو خدائے دوجہاں کی تعریف میں بھجن گاتا پھرتا ہے۔ ایک عام قاری، جس کی سیرت عبادتی نہ بھی ہو اگر گورو نانک کی بلند مرتبت تخلیقات کی دنیا میں قدم رکھے تو اسے بھی اس کلام کی عظمت کا احساس ضرور ہوگا۔ گورو نانک کی شاعری لاکھوں انسانی ذہنوں میں انقلاب پیدا کرنے کا ذریعہ بنی۔ اس لیے اس شاعری کو پیش گوئیوں کا درجہ دیا جاتا ہے۔ اگر ان کے مقدس کلام کا ہر دو پہلوؤں سے مطالعہ کیا جائے تو اُن کی شخصیت کی وہ عظمت ہماری نظروں پر عیاں ہو جائے گی جو ان کی تخلیقات سے جھلکتی ہے۔

ہندوستانی فلسفے کی اصطلاحات کا عالمانہ اور پُرشکوہ استعمال اس وقت دیکھنے کو ملتا ہے جب گورو نانک ' برہم گیان '' کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار فرماتے ہیں۔ اخلاقی درس دینے کے لیے ہندوستانی اساطیر اور پُرانوں کی روایات کا توصیفی استعمال دیکھتے ہی بنتا ہے۔ اپنی بات کی وضاحت کرنے کے لیے 'رامائن'، 'مہابھارت'، 'شری کرشن' سے جُڑے ہوئے قصے۔ کہانیوں اور پُرانی اسطور کو بھی ملحوظِ خاطر رکھا گیا ہے۔ جہاں تک گورو نانک کی زبان کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ انھوں نے اپنی مابعد الطبیعیاتی تخالیق میں اُسی زبان کا استعمال کیا ہے جو اُس زمانے کے شمالی ہندوستانی کے فلسفے کی زبان تھی اور جس کا نام 'برجی ہندی' تھا۔ یہی وجہ ہے کہ یوگیوں سے ہوئے ان کے عظیم مکالمے کی زبان بھی زیادہ تر ہندی ہی ہے اور موضوع کے اعتبار سے فلسفیانہ طرز کی حامل ہے۔ 'برہم گیان' کی زبان بھی کسی طرح سے متروک الاستعمال قرار نہیں دی جا سکتی۔ لسانی ساخت کے اعتبار سے بھی یہ زبان اُس وقت کے سادھوؤں اور یوگیوں کی زبان سے الگ نہیں ہے۔ جہاں بھگتی کا موضوع آیا ہے وہاں پیار اور محبت کے تجربات کے پیشِ نظر مغربی پنجاب کی مقامی زبان کا استعمال کیا گیا ہے۔ اگر تناسب ہی مقصود ہو تو یہ بلا تامّل کہا جا سکتا ہے کہ گورو نانک کی اغلب زبان پنجابی ہی ہے۔ جیسے جیسے وقت گزرتا گیا اُن کے روحانی وارثوں کے ہاتھوں اس تناسب میں تبدیلی ہوتی گئی لیکن زبان کی موضوعاتی تقسیم وہی رہی۔ گورو ارجن دیو تک سارے گورو صاحبان نے رحم اور محبت جیسے انسانی جذبات کا اظہار پنجابی میں کیا۔ گورو تیغ بہادر اور گورو گوبند سنگھ نے زیادہ تر ہندی ہی کا استعمال کیا۔

گورو نانک کی بلند مرتبت اور عالی مقام پنجابی تخلیقات کا کوئی ثانی نہیں ہے۔ ان سے پہلے، علاوہ فرید کے، پنجابی زبان کا کوئی بڑا شاعر نہ تھا۔ لیکن ان کے بعد بے شمار ہندو اور مسلمان معروف شاعر ہوئے ہیں۔ گورو صاحبان کے علاوہ سکھ روایات میں بھائی گورو داس جیسا عظیم شاعر اور فاضل ملتا ہے جس کو پنجابی زبان پر مکمل عبور حاصل تھا۔ انسان ان کی خوش بیانی اور ان کے زبانی معارج پر دنگ رہ جاتا ہے۔ ربابی " ستّہ " اور " بلوند کے ساتھ ساتھ بھاٹوں کو بھی اس زبان پر مہارت حاصل تھی۔ ان کلام بھی گورو گرنتھ صاحب میں

شامل ہے۔ انھوں نے اپنی اپنی جماعت کا مخصوص اسلوب اپنایا اور پنجابی زبان کا موثر ڈھنگ سے استعمال کیا۔ گورو نانک نے ایک جگہ فرید کے شبد میں استعمال کی گئی پنجابی زبان کو اپنے کمال سے مزید وسعت عطا کی ہے۔

گورو نانک کا طرزِ اظہار گو کہ بہت مربوط ہے پھر بھی الفاظ ان کی بلند خیالی کا ساتھ دینے میں قاصر دکھائی دیتے ہیں۔ یہی امر آن کی شاعری کی تشریح میں مانع ہے۔ علاوہ ازیں ان کا اسلوب کلاسیکی ہے جواب معدوم ہے۔ ایسی شاعری کی معنوی تہہ تک جانے کے لیے انسان کا اس سے مکمل طور پر ہم آہنگ ہونا لازمی ہے۔ اس کی تشریح و تفسیر میں وہ علامتیں معاون ثابت ہوتی ہیں جو گورو صاحب نے پنجاب کے دیہات اور ہندوستانی شاعری کی قائم کردہ روایات سے اخذ کی ہیں۔ مثال کے طور پر محبت کی دیوانی بیوی، شوہر کی غیر حاضری میں فرقت کا عذاب، ساس کا ظالمانہ سلوک اور اسی طرح کے دوسرے بہت سے استعارے ہیں جو روحانی علامتوں کے قالب میں ڈھالے گئے ہیں۔ چاترک، کوئل، ہرن، مچھلی، چکور، سانپ، ہاتھی، شیر اور شکاری کتے کے استعارے بھی روحانی اور اخلاقی موضوعات کی نشاندہی کے لیے جا بجا برتے گئے ہیں۔ اسی طرح سے کنول کا پھول اور راج ہنس متبرک روحوں کے لیے، سمندر کی بے پناہی خدا کے لیے، دن رات کے اوقات انسان کی بے ثباتی کے لیے، مختلف موسم خصوصاً ساون اپنی بوچھاروں کے ساتھ اور عروسی سج سنگھار مختلف مذاہب کے ظاہری رکھ رکھاؤ کو سامنے لاتے ہیں۔

گورو نانک عظیم اخلاقی اور روحانی رہنما ہونے کے ساتھ ساتھ ایک عالی مقام شاعر بھی تھے جنھوں نے عام لوگوں کی زبان کو بڑی مہارت سے اور موثر ڈھنگ سے استعمال کیا اور ملک کے کونے کونے میں عوام کے دلوں میں روحانی اور ثقافتی احیاء کی قندیل روشن کی۔ عوامی شاعری کے مقبول رجحانات جیسے 'پٹی' اور 'بارہ ماسہ' کو انھوں نے روحانی تعلیم دینے اور خدائے برتر سے وصال حاصل کرنے کی علامت بنایا۔ ان کی دانست میں وہ علم کسی کام کا نہیں جو بلا وجہ حجت و تکرار میں صرف ہو، یا بھولے بھالے لوگوں کے انتشار حواس کی وجہ بنے۔ اس سلسلے میں انھوں نے ہندو اور مسلم عالموں اور یوگیوں کو یکساں طور پر قصوروار ٹھہرایا ہے۔ اپنے ایک شبد میں انھوں نے فرمایا ہے کہ "ودیا بچاری پر اپکاری" مراد یہ کہ سچا عالم وہی ہے جس کا علم دوسروں کی فلاح و بہبود کے لیے کام آئے۔ جو شخص بھگوان کا پوتر نام نہیں لیتا وہ چاہے کتنی ہی کتابیں پڑھ لے، جاہل ہی تصور کیا جائے گا۔

۶

گورو نانک بطور شاعر

گورو نانک کے ارشادات ان کی اپنی تخلیق کردہ شاعری میں سکھ مذہب کی مقدس کتاب گوروگرنتھ صاحب کی زینت بنے ہوئے ہیں۔ یہ وصف دوسرے مذہبی رہنماؤں کے ہاں کم پایا جاتا ہے۔ یہ شعری تخلیقات شمالی ہند کی مختلف زبانوں کی شاعری میں رائج متعدد بحروں اور اصنافِ سخن میں موزوں کی گئی ہیں۔ انھیں مختلف راگوں میں باندھا گیا ہے۔ جن میں یہ گائی جاسکتی ہیں۔ موسیقی کے سروں میں ڈھالی جانے والی شاعری، خصوصاً گیتوں کو تخلیق کرنے کا اس وقت یہی طریقہ اپنایا جاتا تھا۔ گورو نانک کی یہ شعری تخلیقات سکھوں کی مذہبی سبھاؤں میں اجتماعی طور پر یا ماہر موسیقاروں کے ذریعے گائی جاتی ہیں۔ ان کو سازوں کے ساتھ طے شدہ راگوں ہی میں گائے جانے کی اجازت ہے۔ ایک اندازے کے مطابق گورو نانک کی شاعری میں تقریباً ایک ہزار چھوٹی بڑی شعری اکائیاں ہیں۔ ان کو اجمالی نظر سے تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ فلسفیانہ اور تفکرانہ، غنائی اور عبادتانہ اور اخلاقانہ۔ لیکن یہ تقسیم ہرگز مطلق نہیں ہے کیونکہ ایسے گیت جن کو سکھوں کی اصطلاح میں "شبد" کہا جاتا ہے، مندرجہ بالا تینوں حصوں میں ملے جلے طور پر بھی آئے ہیں۔

بیشتر شبدوں کے راگوں کا تعین تو کر دیا گیا ہے، لیکن ان کو کوئی عنوانات نہیں دیئے گئے، جبکہ کچھ کو عنوانات سے بھی مزین کیا گیا ہے۔ اس بات سے ان کے منصوبہ بند تخالیق ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ اس سلسلے کی اہم تخلیقات ہیں "جپ جی" جو کہ گورو گرنتھ صاحب کے آغاز میں درج ہے، "پہرے" (شب و روز جو زندگی کی علامت ہیں) "سدھ گوشٹی" (یوگیوں سے مکالمے) "اونکار" راگ رام کلی دکھنی میں (یہ اخلاقیات اور فلسفیانہ اہمیت کی پُرمعنی تخلیق ہے)

اور" پٹی"۔۔ ان کے علاوہ چند واریں یا طویل محققانہ نظمیں پوڑیوں اور شلوکوں کی صورت میں بھی ہیں۔ گورونانک سے منسوب دو واریں، 'راگ آسا' اور' ماجھ' میں مرتب ہوئی ہیں۔

اس کتاب میں گورونانک کی نگارشات کی موضوع بندی اس ترتیب سے کی گئی ہے۔ اخلاقی جستجو ۔ رحم کی آواز ۔ سماجی ضمیر ۔ حبّ الوطنی ۔ خدائی محبت کا وجد ۔ یوگ و دیگر اخلاقیات سے لبریز زندگی گزارنے والوں کی راہ میں حرص و ہوس کی وجہ سے آنے والی لغزشوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ انسان کو ان سے خبردار رہنے اور راست روی اختیار کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔

'رحم کی آواز' میں رات اور دن کو علامت بنا کر ایسے انسان کے ذہنی المیہ کو ظاہر کیا گیا ہے جو تحریص کا شکار ہو کر راہ حق سے بھٹک گیا ہے۔ اسے جذبۂ رحم سے سرشار زندگی گزارنے کی اخلاقی نصیحت کی گئی ہے۔ 'سماجی ضمیر' کا موضوع بھی کچھ اسی طرح کا ہے۔ دل کا ہندوستان کے لیے دھڑکنا یا حبّ الوطنی میں سرشار ہو کر کرب زدہ ہندوستانی عوام کے حق میں ایسی آواز بلند کی گئی ہے جو وطن پرستی سے معمور ہے۔ 'خدائی محبت کا وجد' میں محبوب الٰہی سے وصال حاصل کرنے کی تڑپ موجیں مارتی دکھائی دیتی ہے۔ انسان جب اپنی روحانی تلاش میں اپنے محبوب کو پا لیتا ہے تو اسے اتنی خوشی ہوتی ہے جس کا بیان" ازدواجی تکمیل" جیسے استعارہ ہی سے ممکن ہے۔ ہندوستانی صوفی شاعری کی روایات میں انسان کو 'عشق زدہ' برہن کے روپ میں دکھایا گیا ہے جو اپنے محبوب کے فراق میں دن رات تڑپتی ہے۔ گورونانک نے بھی اسی علامت کے ذریعے سے روحانی تلاش کے موضوع کو نبھایا ہے۔ اسی موضوع پر جذبات سے لبریز چھوٹے چھوٹے بے شمار گیت ہیں۔ دو طویل سلسلے ۔ 'ربّی محبوب کی پکار' اور 'بارہ ماہ' (موسم) بھی اس کی کڑی ہیں۔ اوّل الذکر میں آدمی کو ایک دلہن کی شکل میں پیش کیا گیا ہے جو کم سمجھ لیکن پُرشباب اور مغرور بھی ہے لیکن جہالت کی نیند سوئی ہوئی ہے۔ مالکِ دوجہاں اس کے شوہر کی صورت میں ظاہر ہو کر آہستگی سے اسے خواب غفلت سے بیدار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ "میں تم کو مسرتِ کامل عطا کروں۔ اس اقتباس کی وجدانی کیفیت" سولومن" کے اس عمدہ شاعرانہ گیت کی مسرت سے مشابہ ہے جو پرانے عہدنامے یعنی (OLD TESTAMENT) میں آیا ہے۔ خدا اور بندے کے مابین بھی محبت

کارشتہ ہے اور یہاں خدا خوابِ غفلت میں سونے والی حسینہ کو جگاتا ہے۔' بارہ ماہ' بھی ہندوستان کی قدیم رومانی شاعری کی طرز پر تخلیق کی گئی ہے جس میں پیار کی ستائی ہوئی دلہن اپنے گھر میں یا باغ کے ایک گوشۂ تنہائی میں فراقِ محبوب کے عذاب جھیلتی ہے جو دُور دراز کے ممالک میں جنگیں لڑنے یا تلاشِ معاش میں در در بھٹک رہا ہے۔ بے بس اور لاچار، محبوبہ ماہ بہ ماہ اس کی جدائی کے دُکھ برداشت کرتی ہے اور ذہنی ایذا کا شکار بنی رہتی ہے۔ موسم گزرتے رہتے ہیں۔ ہر موسم اپنے ساتھ اپنا مخصوص ماحول لاتا ہے اور اس کے احساسِ تنہائی میں اضافہ کر جاتا ہے، خاص طور سے موسمِ برشگال یا ساون کا رومانی مہینہ (جولائی، اگست)۔ آخر کار تیرہ سرد اور لمبی راتوں کے بعد پھاگن (مارچ) یعنی موسمِ بہار کی آمد کے ساتھ محبوب کا وصال میسّر آتا ہے جس کے لیے طویل انتظار کا عذاب جھیلنا پڑا۔ اصل نظم میں موسیقی کے اُتار چڑھاؤ کا عمل ناقابلِ بیان حد تک خوبصورت اور پُرکشش ہے اور ذہن پر جادوئی اثر ڈالتا ہے۔ ان نظموں میں تجسّس کی شدّت اس طرح بیان ہوئی کہ یہ نظمیں عظیم ترین شاعری کا نمونہ بن گئی ہیں۔ ان کو ہندوستان کے قومی ادب کا وہ حصہ تصوّر کر کے مطالعہ کرنا چاہیے جو ابھی آنکھوں سے اوجھل رہا ہے۔

موت کے موضوع پر لکھی گئی شاعری میں گورونانک نے انسان کی قابلِ رحم حالت پر ترس کھایا ہے اور اُسے تنبیع کی ہے کہ وہ مادّی مقاصد کی تلاش میں اپنی زندگی بے کار نہ گنوائے۔ انسان قسمت کے احکام کے آگے بے بس ہے اور یم راج' کے بھیجے ہوئے دُوت کے ساتھ چلنے پر مجبور ہو جاتا ہے اور اپنے پیچھے لواحقین کو زار و قطار روتے چھوڑ جاتا ہے۔ ان نظموں کو پڑھتے وقت لاکھ روکنے پر بھی آنسو بہہ نکلتے ہیں۔ تاریخ میں ایسا شاذ ہی ہوا ہے کہ انسان کو موت کے شکنجے میں پھنسا ہوا دیکھ کر کسی عظیم رہنما کا دل اس طرح سے پگھلا ہو۔ باوجود اس کے یہ نظمیں سفاک موت پر انسان کی فتح کے امکانات کا راستہ بھی دکھاتی ہیں۔ انسان انتہائی غم کے لمحات میں مالکِ دو جہاں کا ورد کرے اور کائنات کی بے ثباتی پر اور راست روی پر ایمان لائے۔ اگر زندگی انسانیت کی خدمت میں گزاری جائے تو ناگزیر موت بھی تکمیل ہی کا ایک روشن پہلو سامنے لاتی ہے۔ اس طرح سوچنے سے انسان کی ڈھارس بندھتی ہے اور برُا وقت پڑنے پر اس کو سہارا ملتا ہے۔

۷

اخلاقی تجسّس

مذہب اپنی انتہا کو پہنچ کر ایک ایسے متصوّفانہ تجربہ کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ جس کا بیان الفاظ میں ناممکن ہے۔ کائنات کی ہم آہنگی خوشی کا باعث بن جاتی ہے، لیکن دنیاوی معنوں میں اس کا اظہار جبھی ممکن ہے جب یہ اخلاقی لبادہ اوڑھے۔ جب مذہب اخلاقی مسائل میں دلچسپی چھوڑ دے تو یہ انسانی ذہن کو اپنے نشے سے مسحور کر دیتا ہے اور حقیقت میں ان قدروں کا ترجمان بن جاتا ہے جو انسانیت کی روح کے ساتھ جارحیت کا روّیہ روا رکھتی ہیں۔ لالچ، خود غرضی اور گھمنڈ جیسے ہیجانات کو قابو میں رکھ کر ہی صحیح اخلاقیت سے ہم کنار ہوا جا سکتا ہے۔ اخلاقیات کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ انسان فاقوں سے اپنے جسم کو دُبلا کر لے، بلکہ اسے چاہیے کہ وہ ہیجانی ذہن کو عبادت اور پرہیزگاری کے ذریعے قابو میں رکھے۔ اخلاقیات کا اصل مطلب یہی ہے۔ گورونانک روحانیت اور اخلاقیات کا گہوارہ تھے۔ انھوں نے انسان کو اخلاقی روش اختیار کرنے میں رہنمائی کی اور یہ نظریہ عام کیا کہ برے اعمال کی سزا ضرور ملے گی۔ گرے ہوئے لوگوں کے لیے دل میں رحم کا جذبہ رکھنے کی تلقین کی انھوں نے فرمایا کہ آدمی اپنے جذبات سے مغلوب ہو کر تباہی کے راستے پر گامزن ہوتا ہے۔ اُن کا یہی بصیرت افروز نظریہ اُن کی ساری تعلیمات کا مرکز ہے۔ ان کا خوبصورت استعاراتی ڈھنگ انسانی تصوّر کو بہت متاثر کرتا ہے۔

گورونانک کی شاعری میں اخلاقی درس کے لیے ایک زبردست استعارہ ہرن کا استعمال ہوا ہے جو ہری بھری جھاڑیوں میں کودتا پھلانگتا پھرتا ہے اور انجام کار اُن میں پوشیدہ جال میں پھنس جاتا ہے۔

صبر و قناعت کی زندگی ہی بہترین زندگی ہے۔ عیش و آرام کی زندگی گزارنے سے نہیں بلکہ صبر و قناعت اور خدائے برتر کی رضا کے آگے سر تسلیم خم کرنے سے انسان اپنے رنج و محن سے چھٹکارا حاصل کر سکتا ہے۔ ہرن کا استعارہ ذیل کی نظم میں دیکھیے:۔

اے آہُو ذرا غور سے سُنو
تُم کیوں اس قدر باغ میں کھو گئے ہو
خود سے بھی بیگانے ہو گئے ہو
زہر کا پھل کچھ دن ہی میٹھا لگتا ہے
اور پھر عذاب بن جائے گا
تمہیں ہر پل تڑپائے گا
جس ثمر نے آج تمہیں مدہوش کر رکھا ہے
یہی کل وجہ اندوہ بنے گا
خالق کے بغیر تم تڑپو گے
فریاد کرو گے
سمندر میں اُٹھے تلاطم کی طرح
لذّت بے ثبات ہے
لذّت مانند برق ہے
چمکے گی بُجھ جائے گی
بجز خالق تیرا کوئی نگہبان نہیں
یہ راہ تجھ پر آسان نہیں
صد حیف! کہ تم نے اُسے فراموش کر دیا ہے
نانک کی بات مانو
اے آہُو خود کو پہچانو
یہ مت بھولو کہ جس راہ پر گامزن ہو

وہ تمہارے فنا کی طرف جاتی ہے
شہد کی مترنم مکھیو
اے حسین غنچو
تمہارا حُسن، تمہاری لذّت
عذاب کا باعث بنے گی
میں نے مُرشد سے کہا کہ مجھ پر حقیقت کا انکشاف کرو
سچ کی تعلیم دو، میں نے التجا کی
میری دوست شہد کی مکھی
بُری طرح سے لذّت میں غلطاں ہے
دن کے طلوع ہوتے ہی بدن کا زوال شروع ہوا
اور درد نے کھولتے ہوئے تیل کی طرح
مجھے لُقمہ لُقمہ چبا لیا۔
تم ایک غلیظ ملبوس کی مانند ہو
حرفِ معتبر سے ناآشنا
یاد رکھو کہ ملک الموت تمہیں اسیر بنا کے تڑپائے گا
نانک نے حق بات کہی ہے
روح کا خیال کرو
اسے نہ پائمال کرو
اے مترنم مکھی
شیرینی کی پیکر
یہی لذّت تمہاری موت کا باعث بنے گی۔

(آسا چھانت، صفحہ ۳۹ - ۴۳۸)

اخلاقیات کا یہ موضوع گورو نانک کی شاعری میں بہت نمایاں ہے اور انسان کی اخلاقی

زندگی کو ہر موڑ پر تقویت بخشتا ہے۔ ذیل کا اقتباس جس میں تمبیع کے ساتھ ساتھ رحم پر بھی زور دیا گیا ہے، دلوں میں کتنا اچھوتا اور زبردست تاثر چھوڑتا ہے:-

دل بے قرار و مضطرب ہے
کسی پل سکون نہیں ہے
میرا من آہو کی طرح ہے
جو سبز شاخوں کو چبا رہا ہے ـــــ
وہ جو خود کو خالق کے قدموں پر نثار کر دیتا ہے
عمر جاوداں حاصل کرتا ہے
اس کی روح بیدار رہتی ہے ـــــ
ساری دنیا بے چین ہے
فقط نجات کی راہ کھلی ہے
مسرت کا ایک ہی راستہ ہے
اور وہ ہے
خالق کی یاد، اس کا دھیان ـــــ
وہی نجات پائے گا
جو اُس کی ہستی میں مدغم ہو جائے گا ـــ

(رام کلی دکھنی، اونکار ۲۳ صفحہ ۹۳۲)

دوسرا استعارہ گنگناتی ہوئی شہد کی مکھی کا ہے جو نفسی لطف کے لیے ایک پھول سے دوسرے پھول تک اُڑتی پھرتی ہے۔ یہ استعارہ جو ہندوستانی ادب میں عام پایا جاتا ہے، نیچے دی گئی نظم میں استعمال ہوا ہے۔ نئی نئی کونپلوں کا استعارہ، عیش و عشرت کی تلاش میں اندھا دھند بھاگنے، نفس پرست زندگی گزارنے اور اخلاقی ذمہ داری سے دست بردار ہونے جیسے مضامین کی ادائیگی کے لیے برتا گیا ہے۔

اس طرح نیچے آنے والے اقتباس میں متعدد علامتوں سے مدد لی گئی ہے۔ درخت پر بیٹھے

ہوئے پانچ پرندے انسان کے پانچ آلاتِ حس ہیں۔ کچھ میں یہ لالچ اور حرص کی علامت ہیں جو انسان کو دکھ کی کھائی میں دھکیل دیتے ہیں۔ جو لوگ صبر و استقلال کا دامن تھام لیتے ہیں وہ خدائی رحمت اور نجات کے حقدار بن جاتے ہیں، جو حیاتِ انساں کا سب سے بڑا مقصد ہے۔ یہ اقتباس ایک طویل فلسفیانہ نظم کا حصّہ ہے جس کا عنوان "اونکار" ہے اور جسے راگ رام کلی دکھنی میں باندھا گیا ہے۔

بدن شجر کی مانند ہے
اور من اک پرندہ
اس درخت پر پانچ پرندے چہک رہے ہیں
یہ پرندے اس شجر کا رس چوس رہے ہیں
لیکن کبھی اس کے دام میں گرفتار نہیں ہوتے
جو اس کے اردگرد منڈلاتے ہیں
دانا دُنکا چگتے ہیں
بے بال و پر ہو جاتے ہیں
اور زیرِ دام آجاتے ہیں
اور اذیت پاتے ہیں
اُس کی رحمت ہی انھیں نجات دلا سکتی ہے
خالق کا دھیان ہی
اس قید سے رہائی کا موجب ہے
وہی انھیں شفا دے گا
جلا دے گا (اونکار ۳۳، صفحہ ۹۳۴)

جو انسان عامیانہ ہیجانات اور گناہوں میں گھرا رہتا ہے ایک ایسے جہاز کے مشابہ ہے جس پر زہر لدا ہوا ہے اور زندگی کے سمندر پر ہچکولے کھاتا پھرتا ہے۔ زندگی کے اس

بحرِ بے کراں میں صرف خدا ہی ناخدا ہے جو تمہیں کنارے پر پہنچا سکتا ہے اور نجات دِلا سکتا ہے۔

زندگی کا جہاز

انسان کی زندگی زہر سے لدا ہو جہاز ہے
جو سمندر کی موجوں کے رحم وکرم پر رواں ہے
کس جانب
کوئی کنارہ نہیں
نہ بادباں ہے، نہ ناخدا ہے، نہ پتوار کا سہارا
اے ندیم!
یہ دنیا اک بڑے جال میں اسیر ہے
خدا کی ذات ہی امیر ہے
نجاتِ انساں کی اک یہی دلیل ہے
اُس کا مقدّس نام
اُس کا ذکر، اُس کی فکر، اس کی یاد
بن سکتی ہے ساحلِ مراد
نانک نام جہاز ہے
چڑھے سو اُترے پار
وہی ناخدا ہے
اُسی کو سب پر اختیار
کوئی خوف سدِّ راہ نہیں بن سکتا
اُس کا نام عظیم ہے
اُس کی عبادت میں جو ہمہ وقت مصروف ہے
وہی نجات پائے گا

اُس کی رحمت کا سایا آواگمن کے چکّر سے بچائے گا
اُس کی بیکراں ہستی
اُسے اپنے دامن میں پناہ دے گی
فیض یاب کرے گی
اور اُسے دامنِ رحمت میں پناہ دے گی ـــــ
زہر سانپ کی فطرت ہے
اور یہ فطرت بدلنے کی نہیں
جو پہلے سے طے ہے
اُسے بدلنا ناممکن
پھر الزام کس کے سر رکھیں ـــــ
اُس کی رحمت ہی اس زہر کا تریاق ہے
اور یہ تریاق اُس عظیم ہستی کی یاد سے اُبھرے گا
اور صبر و قناعت کی دولت عطا کرے گا (مارو صفحہ ۱۰۰۹)

روح بے شمار خطروں سے گھری ہوئی ہے۔ دنیا میں آگ کے چار دریا ہیں جن میں انسان گر سکتا ہے۔ ہر حال میں ان سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

زندگی کے چار آتشیں دریا
بپھرتے ہیں دہشت زدگی کا سماں باندھتے ہیں
اک مردِ خُدا ہے
جو لفظِ حق سے آشنا ہے
کافر کو کہیں اماں نہیں ملتی
اماں اُسی کو ہے جو مالکِ دو جہاں کے رنگ میں تحلیل ہو جائے
(مارو سولاہے ۱۱، صفحہ ۱۰۳۱)

انسانی جسم مایا یعنی گناہ میں ڈوبا ہوا ہے۔ ایک گیت میں گورو نانک نے مایا کے جھوٹے

رنگ کا ربّ کے پکّے رنگ یعنی عبادت سے موازنہ کیا ہے:۔

اے میرے محبوب!
یہ جسم مایا کے پانی میں تر بتر ہو چکا ہے
اس پہ رنگِ ہوس چڑھا ہوا ہے
میں ایسے ژولیدہ تن کو لے کر
کیسے اُس کے نگار خانے میں باریابی کی آرزوں کا خواب دیکھوں
میں کیوں نہ خود کو نثار کر دوں
تمہاری راہوں پر چلنے والے
سارے نیک اعمال بندگاں پر
تمام رنگوں میں
اک تمہارا ہی رنگ قائم و دائم ہے
جس کی روشن مثال ممکنات میں نہیں ہے

(تلنگ۔ صفحہ ۷۲۱)

گناہ اور مصیبت سے بچنے کے لیے انسان کو اپنے من میں ہمیشہ بھگوان کا ڈر رکھنا چاہیے عظیم کائنات اُسی کے ڈر سے قائم ہے۔ "آسا دی وار" میں یہ بند اسی نظریے کا مظہر ہے:

مالکِ دو جہاں کے خوف سے
ہوا بھی کتنی موجوں میں منقسم ہے
ہزار ہا ندیاں رواں ہوتی ہیں
آگ بھی کار ہائے مختلف کی تکمیل میں شعلہ زن ہے
زمین بھی اپنے بار کے نیچے دب چکی ہے
خوفِ خالق سے راجہ اندر بھی عاجزی کی مکمل صورت بنا ہوا ہے
آسمانی منصف بھی
اپنی عدالت میں

اُسی کے خوف سے دم بخود ہے
چاند سورج بھی اس کے ڈر سے زمین کا گز بنے ہوئے ہیں
اُسی کی دہشت کا ہے کرشمہ
کہ سارے گیانی اور دھیانی۔
دیوتا اور یوگی
مصروفِ عبادت ہیں ——
آسماں اپنی وسعتوں کو وا کیے ہوئے ہیں
اہلِ جاہ وجلال بھی اُس کی دہشت سے کانپتے ہیں
اُسی کے ڈر سے
حیات اور ممات کا لامتنہاہی سلسلہ پھیلا ہوا ہے
ساری خلق پر اُس کا خوف طاری ہے
اے نانک جس کی کوئی شکل نہیں ہے
فقط وہی اُس کے دائمی خوف سے ماورا ہے (وار آسا ۴، صفحہ ۴۶۴)

انسان کے کردہ گناہوں کی وجہ سے آنے والی مصیبت کا صرف ایک ہی علاج ہے —— "اُس ربّی نام کا جاپ"۔ یہاں طبّی علامت استعمال کی گئی ہے۔ دکھ تکلیف وہ زہر ہے جس کا تریاق صرف سچّی عبادت ہے:۔

غم ہے زہر سمان، کھائی غم ہے زہر سمان
تریاق اک "تیرا" نام ہے
دست سخاوت کی ہمرکاب یہ کیمیاگری
صبر کی کسوٹی پر ریزہ ریزہ کر دیتی ہے سارے غم
اس آبِ حیات سے آشنا، تمام دکھوں سے ماورا
خوفِ مرگ سے نہیں ہراساں
کر جاتا ہے بالآخر موت کی دہلیز پار

(راگ ملار ۹، صفحہ ۵۷-۱۲۵۶)

۸

دردمندی کی آواز

گورونانک کو (دو ہزار سال پہلے کے بدھ کی طرح) ایسے انسان کی حالتِ زار پر بے حد ترس آیا جو دنیاوی عیش میں پھنس کر موت اور بڑھاپے سے بے خبر ہو گیا۔ گورونانک نے اپنی ایک شاعرانہ تخلیق "پہرے" کے ذریعے سے عیش و عشرت میں ڈوبے ہوئے لوگوں کو تنبیع کی ہے یہ دنیا فانی ہے اور موت ناگزیر۔ انسان کی زندگی کو چار حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ہر حصہ ایک "پہر" کہلاتا ہے۔ ہر "پہر" تین گھنٹوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ زندگی کی ساری روش کا احاطہ کرتے ہوئے گورو صاحب نے ان مختلف ادوار میں ہونے والے انسانی تجربات کا جائزہ لیا ہے۔ انسان سمجھتا ہے کہ اس کا عہدِ شباب لافانی اور خوشی لازوال ہے۔ لیکن اس کا یہ خیال سراب سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا۔ راگ سری میں ترتیب دی گئی اس شعری تخلیق میں سانیٹ کی طرح موضوع کی دو حرکتیں ہیں جو نیچے دی گئی ہیں۔ انسان کو ونجارا (بیوپاری) کہا گیا ہے جو زندگی کے بازار میں اپنا مال بیچتا ہے اور اس سودے میں اسے نفع بھی ہوتا ہے اور نقصان بھی۔ نفع اُس صورت میں اگر وہ نیک کام کرتا ہے اور نقصان اس صورت میں اگر وہ عبادت اور اخلاقیات سے دُور رہتا ہے۔ وہ اپنی زندگی کا سفر اپنے ذہنی میلان یا مقصد کے زیرِ اثر تمام کرتا ہے :-

پہلا پہر

پہلی حرکت

اے میرے تاجر دوست!
یاد کر رات کی وہ ابتدائی گھڑی

جب الوہی حکم سے تُو نے کوکھ میں پہلی سانس لی
خرد کو ترک کیا
اور مالکِ کُل سے دعا مانگی
رِہائی کی تمنّا کی
یہ تیرے پچھتاوے کی گھڑی تھی
تیرے انفعال کا وقت تھا
خود کو تُم نے اُس کی ذات میں مدغم کیا
تُو تنگ وجود تھا
اور یوں ہی رہے گا
یہی تیرا مقدُور ہے
قولِ نانک یہی ہے
کہ قسمت کا لکھا حرفِ معتبر تسلیم ہو ــــ

(ایک)

اے میرے تاجر دوست!
دُوسری گھڑی وہ ہے
جب تُو اپنے خالق کو فراموش کرتا ہے ــــ
یاد کر اپنے مالک کی شفقت کو
جس نے ماں یشودھا کی طرح کرشن پر ممتا قربان کی
اور اپنی ذات و کائنات نثار کی ــــ
حیف! صد حیف!!
عیشِ دنیا نے تیری آنکھ پر پردے ڈالے
وقتِ آخر نہ کوئی ہم دم و دمساز تیرا
تُو جسے ذہن سے اب محو کیے بیٹھا ہے

اصل میں وہی تیرا ناخدا ہے
اپنا سفینۂ حیات
اس کے حوالے کر دے
اس دوسری گھڑی میں
تُو نے اپنے خالق سے چشم پوشی کر لی ہے
گر نجات کی خواہش ہے تجھے
تو بقول نانک
اُس کے نام کا ورد کر ۔

(دو)

اے میرے تاجر دوست!
تیسری گھڑی بھی عیش و طرب میں گزار دی
اور تجھے ذرا بھی خیال نہ رہا
کہ تجھے بندِ غم سے نجات
فقط مالک دو جہاں کے حکم ہی سے حاصل ہو گی
دامِ فریب کا اسیر
تُو ہے بندۂ بے پیر
مال و زر کا غلام
آسائش کے زیرِ دام
زیست بھی انمول تھی کوڑیوں کے مول اُٹھی
صدق و صفا نہ بن سکا مسلک ترا
کارِ خیر سے تجھے عار رہی
زندگی تجھ سے شرمار ہی
قول نانک ہے کہ
تیسری گھڑی بھی نذرِ عیش ہوئی ۔

(تین)

اے میرے تاجر دوست!
زندگی کی چوتھی گھڑی میں
رزم گاہ زیست میں
منزل ورہ گزر سے بے خبر
ملک الموت کے پروں پر سوار
اُس کی گرفت میں گرفتار
سب کچھ بھول جاتا ہے
ہوش و حواس گم ہو جاتے ہیں
چشم زدن میں
اسیرانِ رنگ و بُو
اپنی ہستی سے دست بردار ہو جاتے ہیں
وہی پاتے ہو جس کی تمنّا رکھتے ہو
زندگی اسی کا نام ہے
خبردار اے بشر خبردار!
نانک کا قول ہے کہ بابِ چہارم
بابِ ثمر ہے

(چار)

دوسری حرکت

اے میرے تاجر دوست!
رات کا پہلا پہر
دورِ جہالت ہے
جو انسان کو اپنی گرفت میں جکڑ لیتا ہے
ماں باپ کی شخصیت کے زیر سایہ شجر زیست پروان چڑھتا ہے

طفلِ شیر خوار کو والدین اپنی محبتوں سے مسحور کر دیتے ہیں
یہ سب دھوکہ ہے، مایا ہے، فریب ہے
اس کے مقدّر نے اسے انسانی جامہ عطا کیا ہے
یہ سب اس کے نیک اعمال کا ثمرہ ہے
یہی اعمال اسے رزم گہہ زیست میں از سرِ نَو
عمل پر آمادہ کرتے ہیں
نجات کا واحد راستہ
شب و روز کی عبادت ہے
دنیا سے دل لگانا اک حماقت ہے
قول نانک ہے کہ بابِ اوّل میں
اس کی عبادت کر
نجات کا یہی راستہ ہے

(ایک)

اے میرے تاجر دوست!
رات کا دوسرا پہر
شباب کی وہ کیف و مستی ہے
جو پیمانۂ ہستی کو
نشاط و طرب سے لبریز رکھتی ہے
خواہش کا اسیر
خالق سے بے خبر
شب و روز
کارِ لذّت میں غلطاں
شباب و مستی کا غلام

زندگی کے ترش و شیریں لوازمات کا اسیر
بے اماں، تیرہ بخت
بے نظم، بے ضبط، مضطرب
سرگرداں ہے ——
موت وحیات کی گردش کا شکار
پاکیزگیٔ جسم وجاں کا خواہاں
رسوم وقوائد کا غلام
زنار وتسبیح کا فریفتہ
اے نانک! نجات کی راہیں یہ نہیں ہیں
اخوت وعبادت شرطِ اوّل ہے
آواگمن کی دو ہیں جہات
ہے یہ دوہرا عمل زیست اور موت کا

(دو)

اے میرے تاجر دوست!
رات کا تیسرا پہر وہ پہر ہے جب
آبی پرندے بر لبِ تالاب
درماندہ وفسردہ
سفر کا نوحہ پڑھتے ہیں
قوتِ پرواز کو ترستے ہیں ——
اے میرے تاجر دوست!
یہ عالم وہ عالم ہے
جب شمعِ جاں بجھا چاہتی ہے
بشر کا یہ المیہ دیدنی ہے

فرشتۂ اجل کو روبرو دیکھ کر کفِ افسوس ملتا ہے
گویا اپنی آگ میں جلتا ہے
یہ لمحہ ہے محرومیوں کا
فرومایگی کا
تہی دست پھر ڈھونڈتا ہے پناہیں
ظاہر ہے تیسری سرشت میں
زوال کا یہ ذلیل لمحہ —
اے مردِ ناداں
سُن ذرا غور سے سُن
بقول نانک نجات کی رہ گزر عبادت کے لمحوں سے عبارت ہے
حمد و ثنا میں پنہاں ہے دوامِ زندگی —

(تین)

اے میرے تاجر دوست!
آن پہنچا ہے شب کا یہ چوتھا پہر
حلول ہو گیا ہے جس میں ضعیفی کا زہر
عناصر میں اعتدل نہیں
بشر مجبور ہے
سماعت سے معذور ہے
بے حسی کے تلاطم میں غرقاب ہے
رگو میں لہو منجمد ہو گیا ہے
توازن کہیں کھو گیا ہے
مسرت سے محروم ہو گیا ہے
آواگمن کے چکر میں محو ہو گیا ہے

فصل پک چکی ہے، کٹ چکی ہے، گر چکی ہے
تکبّر کے شعلوں نے رشتوں کو خاکستر بنا دیا ہے
آخری باب کی یہ داستاں
مختصر مختصر اے بشر اے بشر
تُو ذرا غور سے قولِ نانک کو سُن
اپنے خالق کے عرفان کی جستجو میں
اُس کے ادراک میں
خود کو تحلیل کر ——

(چار)

اے میرے تاجر دوست!
داستانِ حیات کے آخری باب میں
تارِ نفس ٹوٹتا ہے
قفسِ عنصری سے یہ پرندہ اب چھوٹتا ہے
ضعیفی کا سنگِ گراں
بر سرِ دوش ہے ——
اے میرے تاجر دوست!
اب تیرے گناہ ہی تیرا آئینہ ہیں
ثواب کے لعل و گوہر تجھ سے دامن کشاں رہے ہیں ——
وہی نجات کا مستحق ہے
جس نے سعیٔ کامل سے
حصولِ کارِ ثواب کے در وا کیے ہیں
جو رمزِ حیات و موت سے آشنا ہے
جو نہ زندہ ہے اور نہ فنا ہے

ملک الموت کی دسترس سے دُور
بحرِ دنیا سے ماورا ہے —
صبر و تحمّل کا پیکر
عارفِ سرِ ربّانی
نورِ خالق سے معمور
جہانِ فانی سے اُس کی ہجرت
توقیر کی زندہ تصویر ہے
ذات مولا میں تحلیل ہو گیا ہے
بندِ غم سے نجات کے در اُس پہ وا ہو گئے ہیں
اے بشر یہی قولِ نانک ہے، سُن
غور سے سُن —

(پانچ)

اسی موضوع کو ایک اور نظم 'الہا ونیاں' میں بھی واضح کیا گیا ہے جو راگ" ودھانس" میں مرتب ہوئی ہے۔ یہ نظم لوک شاعری کے زمرے میں آتی ہے اور عزیز و اقارب میں سے کسی کی موت پر رنج و غم کے اظہار کا وسیلہ بنتی ہے۔ یہ روایتی انداز کی طویل نظم ہے جو آہ و زاری سے پُر اور حد درجہ غم ناک ہے اور اس ظالم دنیا میں کسی کی حیرت ناک موت پر نوحہ کی صورت میں لکھی گئی ہے۔ اس ہئیت کو اپناتے وقت گورو نانک نے موت کی وحشت ناک صورت اور اس کی وجہ سے لواحقین پر ٹوٹنے والے قہر کو نظر انداز نہیں کیا بلکہ روحانی تجربے کی قوت سے اس پر قابو پانے کا راستہ بتایا ہے۔ اگر انسان خود کو مالکِ دو جہاں کی مرضی پر چھوڑ دے تو اس کو موت کی صورت اتنی خوفناک دکھائی نہ دے۔ اگر لواحقین راضی بہ رضا ہونا سیکھ لیں اور موت و حیات کے خالق کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیں تو انھیں بھی قلبی سکون میسّر ہو سکتا ہے۔ اس طویل نظم کے آخری دو بندوں میں انسان کے رنج و غم پر رحم کا اظہار کیا گیا ہے:۔

اے میرے دوست!
آدمی دہر میں بے لباسی کے عالم میں وارد ہوا ہے
عیش و غم اس کا مقدّر ہیں
پچھلے کرموں کا پھل بھوگتا ہے
والیِ دو جہاں نے
اُس کی قسمت میں لکھے ہیں
زہر اور امرت
یہ سب ربّی حکم سے ہُوا ہے
جادوگرنی مایا نے اُس پر اپنا دامِ فریب پھیلایا ہے
رنگ برنگے پھندے اُس کی گردن کو جکڑے ہوئے ہیں
کج فہمی ذہنی فقدان کا باعث ہے
شہد پر منڈلاتی مکھّیوں کی مانند
اُس کا لالچ لامحدود ہے
کلجگی دور میں پیدا ہونے کے باعث
حُسن لطافت سے محروم ہے
بے لباسی ہی کے عالم میں اس دارِ فانی سے ہجرت کرے گا

(تیسرا بند)

اے میرے دوست!
داغِ مفارقت دینے والوں پر
اگر چاہے تو نوحہ خواں ہولے —
ہرکارہ دروازے تک آن پہنچا ہے
اور قسمت کا نوشتہ مٹانا ممکنات میں نہیں —
ہرکارہ، مالکِ دو جہاں کے حکم کی تعمیل کا پابند ہے

نوحہ خواں خود نوحہ تو بن چکے ہیں لیکن
بیٹے، بھائی، بھتیجے اور عزیز و اقربا
مرنے والے کی خاطر
جاں بحق ہونے کو تیار نہیں ـــــ
نوحہ کناں ہونے کی بہترین صورت تو یہی ہے
کہ خدائے بابرکات سے ڈرو
بقول نانک واقف راز تو وہی ہے
جس کی نوحہ خوانی زندگی کی حقیقت پر غور کرے ـــــ

(چوتھا بند)

۹

سماجی شعور

ہمارے ملک میں انسان دوستی اور سماجی ذمہ داری کے احساس کو اخلاقیات کے زمرے میں کم ہی شامل کیا گیا ہے۔ امیر لوگ خیرات کی رسوم ادا کر کے اپنے گناہوں سے سبکدوشی حاصل کرتے رہے ہیں۔ ان سے کبھی کسی نے یہ سوال نہیں کیا کہ یہ دولت انھوں نے کن ذرائع سے حاصل کی ہے۔ گورونانک کے ساتھ ایک کہانی وابستہ ہے جس میں اس بات کو ظاہر کیا گیا ہے کہ انھوں نے عوامی اخلاق کے موضوعات پر کبھی بھی سمجھوتہ نہیں کیا اور ہمیشہ اپنے سماجی شعور کو روشن رکھا۔ ایک امیر ہندو ملک بھاگو نے ایک بار گورو صاحب کو دعوت کے لیے مدعو کیا۔ کافی منت سماجت کے بعد وہ دعوت میں شریک ہونے کو تیار ہو گئے لیکن انھوں نے امیر آدمی کی طرف سے اپنی خدمت میں پیش کیے گئے لذیذ کھانوں کو کھانے سے انکار کر دیا۔ جب اُن سے مزید درخواست کی گئی تو انھوں نے فرمایا کہ میری دانست میں یہ خیرات غریبوں کی حق تلفی کر کے کمائی گئی دولت میں سے ہے اور اسے حاصل کرنے میں غریبوں پر طرح طرح کے بوجھ ڈالے گئے ہیں۔ اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت فرماتے ہوئے ایک ہاتھ کی مٹھی میں امیر آدمی کا مرغن کھانا لیا اور دوسرے ہاتھ کی مٹھی میں غریب آدمی کا سادا اور معمولی کھانا۔ جیسے ہی انھوں نے دونوں مٹھیوں کو بھینچ کر نچوڑا تو امیر کے کھانے سے خون ٹپکنے لگا اور غریب کے کھانے سے دودھ۔

گورونانک نے اپنے عہد میں ہونے والے مظالم اور ناانصافی کی کھلم کھلا مذمت کی۔ اُن کا خیال تھا کہ ظالم خواہ ہندو ہو یا مسلمان، ہمیشہ قابلِ سرزنش ہوتا ہے۔ انھوں نے اس جہان کے حقیقی بادشاہ یعنی بھگوان کے آگے سر بہ سجدہ ہونے کی تلقین کی، دنیاوی حکمرانوں

کے آگے نہیں۔ گورو نانک کی تعلیمات میں انقلاب کی وہ صورت نمایاں نہیں ہے جو ہمارے عہد کے انقلاب سے مشابہ ہو، لیکن ایسا انقلابی تصوّر ضرور پایا جاتا ہے جس کی مدد سے اُن کے بعد آنے والے پیروکاروں نے اسے واضح شکل میں پیش کیا۔

انھوں نے دنیاوی شان وشوکت کی ہمیشہ مذمّت کی اور اسے کھوکھلے پن سے تعبیر کیا۔ آپ نے راگ "آسا" میں مرتب کیے گئے اپنے ایک شبد میں انسان کو اس سے خبردار رہنے کی تلقین کی ہے :-

تو چاہتا ہے سب تیرے خدمت گزار ہوں
دو چار بیس تیس نہیں بے شمار ہوں
ہر سُو تیرے ہی نام کا ڈنکا بجا کرے
سائے میں برچھے بھالوں کے ہر دم جیا کرے
چھوٹے بڑے کو تیری اطاعت قبول ہو
جیسے ہر ایک شے تیرے قدموں کی دُھول ہو
گر تیری بارگاہِ خُدا تک نہیں رسائی
ہرگز نہ کام آئے گی تیرے تیری بھلائی
منسوب گر نہیں ہے تُو مولا کے نام سے
عزّت نہ پا سکے گا کہیں اپنے کام سے
بے شک وہ علم و عقل میں یکتا کہائے گا
نُورِ خدا نہ پایا تو اندھا کہائے گا
بے شک وہ مال و زر سے خزانے بھرا کرے
عیش و طرب کی داد ہر اک پل دیا کرے
جب تک نہ بارگاہِ رسالت میں جائے گا
راہِ نجات اُس کو نہ کوئی دکھائے گا

حافظ وہ چاہے کتنے صحیفوں کا ہو، مگر
جاہل ہے جب تلک نہ ہو اُس پر تیری نظر
جو کچھ بھی ہے جہان میں تیرے کرم سے ہے
عزّت ہو، آبرو ہو وہ تیرے ہی دم سے ہے
سامانِ عزّ وجاہ کا منبع تمہیں تو ہو
عاجز کے آشنا میرے مولا تمہیں تو ہو
رکھے بشر جو یاد ہمیشہ تمہاری ذات
ممکن ہے اس طرح سے ہو حاصل اُسے نجات

(صفحہ ۳۵۸)

ایک اور جگہ انھوں نے (راگ سری) میں دنیاوی شان و شوکت کے فانی ہونے کا ذکر کیا ہے:-

اَبدی نہیں جہان میں کیا راجہ کیا رنک
مِٹ گئے آن کی آن میں کیا راجہ کیا رنک
سجی سجائی منڈیاں بھرے پڑے بازار
مِٹّی میں مل جائیں گے حکم کرے کرتار
عالی شان حویلیاں، عالی شان مکان
اِن کو جانے آپنا اے مورکھ انسان
تیری مَت ہی پھر گئی تو کیا سمجھے بات
مال خزانے بہہ گئے چل پرواہ کے ساتھ
عربی گھوڑے گاڑیاں کیا ہاتھی کیا اونٹ
سب پر تیرا راج تھا جُتے تھی چھوں کھونٹ
محل مینارے ماڑیاں گھر آنگن اور باغ
اِک بھی ساتھ نہ چل سکا سارے دے گئے داغ

رنگ برنگی چلمنیں خیمے عالی شان
نرم و نازک سیج کا کہاں ہے نام نشان
نانک کہے کہ یاد رکھ جس کو نہیں زوال
اُسی کا ہر سوراج ہے اُسی کی ذات کمال

(وار ماجھ، صفحہ ۱۴۱)

اپنے دَور کی رشوت ستانی اور بے انصافی کے بارے میں یوں فرماتے ہیں:۔

لالچ ہے بادشاہ تو کارِ سیاہ وزیر
مکر و ریا خزانہ تو ذوقِ ہوس مُشیر
کیسا غضب کہ عقل کے اندھے ہوئے عوام
انسان ہو کے کرتے ہیں شیطان کو سلام

(وار آسا، ۶۹-۴۶۸)

قاضی کمالِ کفر سے نان حرام کھائے
پنڈت رسوم قہر کے تالاب میں نہائے
یوگی نے گمرہی کو سہارا سمجھ لیا
تینوں نے اس جہاں کو اجارہ سمجھ لیا

(راگ دھناسری، صفحہ ۶۶۲)

خنجر بکف زمانہ اور حکمراں قصائی
کیسے یہاں پنپتی نیکی و پارسائی
ماہِ کمال مجھ کو دیتا نہیں دکھائی
ہر اک قدم پہ ٹھوکر ہر اک قدم پہ کھائی

(وار ماجھ، صفحہ ۱۴۵)

نام نہاد مذہبی رہنماؤں کی ریاکاری پر یوں گویا ہوئے ہیں:۔

خود ہی قاتل ہیں یہاں خود ہی وہاں اہلِ نماز
دم بھریں تارِ مقدّس کا جو ہیں دشنہ نواز
برہمن یوں تو بجاتا رہے ناقوس مدام
حرص کی بھوک ہے دونوں کو وہ آقا کہ غلام
ہے یہی ان کا مقدّر یہی ان کا انعام
ننگِ آدم نہیں کچھ کرتے بجز کارِ حرام
جن کے ماتھے پہ تِلک جن کے بدن پر دھوتی
وہی سفّاک لیے پھرتے ہیں ہاتھوں میں چھری

(وار آسا۔ ۱۶ صفحہ ۲-۴۷۱)

بچھڑنے والے عزیز و اقارب کی روح کی تسکین کے لیے دی گئی خیرات جو حق و حلال کی کمائی میں سے نہ ہو ایک قسم کی چوری ہوتی ہے:۔

ایک ڈاکو جو دے رہا خیرات
لوٹ اور مار کی کمائی سے
روح اجداد پا سکے تسکین
اس کے اس کارِ پارسائی سے

× × ×

اگلی دنیا میں لوٹ کا سامان
صاف پہچانا جانے والا ہے
جو بھی مالِ حرام کھائے گا
صاف پہچانا جانے والا ہے

× × ×

ایسی خیرات جس کو یہ دلال
قابلِ پُر وقار مانیں گے
کاٹے جائیں گے ہاتھ ایسوں کے
سب انھیں بدقِمار مانیں گے

× × ×

اگلی دُنیا میں ان کو اے نانک
داد و تحسین سے نوازیں گے
جو یہاں پر زکات کی صورت
اپنا مالِ حلال بانٹیں گے

(وار آسا، صفحہ ۴۷۲)

ذات پات کے امتیازات، خصوصاً چھوت چھات کی لعنت کے خلاف ان کا جہاد عہدِ جدید کی تحریکِ مساوات کا پیش خیمہ تھا۔ انھوں نے اپنے آپ کو اونچی ذات کا کہلانے والوں کے تکبّر کی سخت مذمّت کی ہے۔ آپ نے انسانیت پرستی کا ثبوت دیتے ہوئے اپنے آپ کو ہمیشہ ان لوگوں کے زیادہ قریب سمجھا۔ جن کو غریب یا نچلی ذات کے ہونے کا طعنہ دیا جاتا تھا:۔

اُونچ اور نیچ کی تفریق رَوا کیوں مانوں
ذات اور پات کو مَیں وجہِ صفا کیوں مانوں
خود کو نانک میں مکیں سے بھی مکیں جانتا ہوں
کون چھوٹا ہے، بڑا کون، نہیں جانتا ہوں
جس جگہ چھوٹوں کی تذلیل بھی کم ہوتی ہے
میرے مالک کی وہیں نظرِ کرم ہوتی ہے

(سری راگ۔ ۳، صفحہ ۱۵)

وہ لوگ اصل میں کنبہ پرور تھے، لیکن اپنے آپ کو اونچی ذات کا کہلانے میں فخر محسوس

کرتے تھے۔ ایسے لوگوں کے دوغلے پن کا پردہ اس طرح سے فاش کیا ہے:-

بدخیالی اور بدگوئی بُری
تنگ دلی اور بربریت بھی بُری
اِن کو مت جانو کبھی وجہِ نشاط
اِن کا ہر صورت بُرا ہے اختلاط
تُم کو اپنا گھر جو اچّھا چاہیے
ایسے کم ذاتوں سے بچنا چاہیے
ہے صدائے حق ہی شانِ زندگی
اور کارِ نیک جانِ زندگی
قولِ نانک میں وہی ہے کارِ خیر
جو گناہوں سے سکھائے ہم کو بَیر

(وار سری راگ، صفحہ ۹۱)

ربّی روشنی کو تمام انسانوں کا مخزن جان
کسی سے اُس کی ذات نہ پوچھ
کیونکہ اس کے بعد کوئی ذات باقی نہیں رہتی

(راگ آسا، صفحہ ۳۴۹)

ذات پات قابلِ ردّ شے ہے
اپنے نام کی عظمت پر فخر کرنا
پست ذوقی کی دلیل ہے
ذاتِ پاک ہی ساری مخلوق کا سرچشمۂ حیات ہے ۔۔۔

(سری راگ کا وار ۳، صفحہ ۸۳)

بھولیں جو بھگوان کو نیچ ذات کہائیں
نانک ایسے لوگ تو جیتے جی مر جائیں

(صفحہ ۳۴۹)

اس کے بعد
نہ ہی جاہ و حشم
اور نہ ہی اونچی ذات کی
کوئی افادیت ہے
اگر کچھ ہے
وہ تقدیس کردار ہے ___
قول نانک ہے
کہ وہی لوگ قابلِ تقدیس ہیں
جنھوں نے راہِ خالق میں کارہائے نمایاں انجام دیئے

(وار آسا، صفحہ ۳۶۹)

برہمنوں کا مقدس دھاگہ (جنیئو) پاک زندگی کی علامت ہے۔ گورونانک کے خیال میں اصلی اور سچے جنیئو کا دھاگہ کچھ اس طرح کا ہونا چاہیے:-

رحم کو کپاس کی صورت جانو
اور صبر و شکر کا دھاگہ بنو
پاک دامنی کی گرہ لگاؤ
یہی تارِ حقیقت ہے ___

اے برہمن!
اگر تم کو سعادت ہے تو یہ لباس مجھے پہناؤ
یہ وہ مقدس دھاگہ ہے
جو نہ ٹوٹتا ہے نہ گرد آلود ہوتا ہے

اور نہ ہی نذرِ آتش ہو کر معدوم ہوتا ہے —
اے نانک
اُن پر خالق کی رحمت کا ہمیشہ سایا رہتا ہے
جو اس دھاگے کو اپنی گردن کی زینت بناتے ہیں —
یہ دھاگہ
جو تُم دیتے ہو، فقط چار کوڑی کا ہے
رسوئی گھر میں اسے دھارن کرتے ہو
اپنے سر اور کانوں کے اُوپر سے لپیٹتے ہو
ایک ایسے برہمن کے ہاتھوں
جو پند و نصیحت کا موجد کہلاتا ہے —
جب حکمِ اجل آتا ہے تو یہ دھاگہ ٹوٹ جاتا ہے
اِسے زیبِ گردن کرنے والا
اس سے محروم ہو کر اگلی دُنیا کا راہی بن جاتا ہے —

(وار آسا ۱۵، صفحہ ۴۷۱)

عورت جو نسلِ انسانی کا نصف حصّہ تصوّر کی جاتی ہے ہندوستان میں سیکڑوں سالوں تک دبی کچلی رہی ہے۔ اس پر ہمیشہ سے گناہوں پر اُکسانے اور ذہن و دل کو غلط راہ پر لے جانے کا الزام عائد کیا جاتا رہا ہے۔ گورونانک نے اس صنف کے لیے دل میں ہمیشہ ہمدردی کا جذبہ رکھا اور اس کی ناموس بحال کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔

گورونانک نے اس باطل عقیدے کا بھی پردہ فاش کیا کہ "سُوتک" یعنی جس گھر میں بچّہ جنم لیتا ہے، وہ چالیس دن تک ناپاک ہو جاتا ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ ناپاک ہونا ایک ذہنی کیفیت ہے اور اس کا بچّے کے جنم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بچّہ تو حکمِ الٰہی پاکر جنم لیتا ہے۔

من کا سوتک حرص و ہوس ہے
اور نطق کا دروغ بینی
آنکھ کا سوتک
کسی پرائے مرد کی عورت کے جسم کی خواہش
اور اُس کی دولت پر نظرِ بد
کان کا سوتک
دوسروں کی برائی سن کر لطف اندوز ہونا
ایسی غلیظ حرکات
انسانی روحوں کو
ملک الموت کے شہر کا راہی بناتی ہیں ـــــ
سوتک پر ایمان لانا
اوہام کو جنم دیتا ہے
موت و حیات اُسی کی دست نگر ہے
اور اُسی کے حکم کی طابع ہے
سبھی نوش و خورد اسی کی عطا ہیں ـــــ
اے نانک
جنھوں نے خالق کی ذات کا عرفان حاصل کر لیا ہے
وہ سوتک کے بحرِ ذخّار میں غوطہ زن نہیں ہو سکتے ـــــ

(صفحہ ۴۷۲)

تقدّس کے رسمی طریقے مثلاً مقدّس پانیوں سے غسل کرنا اور پاک مقامات کی زیارت کرنا وغیرہ، دل کو صاف رکھے بغیر بے معنی اور فضول ہیں :-

کچھ لوگ مقدّس تالابوں میں غسل کے لیے جاتے ہیں
ان کے دل ناپاک ہوتے ہیں

اور استعداد سے عاری ——

مقدّس پانیوں میں اشنان سے
اُن کا ایک پاپ دُھلتا ہے تو
سیکڑوں نئے گناہوں کے مرتکب ہو جاتے ہیں ——
یہ اپنے کاسۂ جسم کو باہر سے دھوتے ہیں
لیکن اندرونی حصّہ زہر آلود ہی رہتا ہے
تقدیسِ روح محتاجِ غسل نہیں
بدی کا میل
غسل کے رسمی لوازمات سے نہیں دُھلتا ——

(وار سوہی، صفحہ ۷۸۹)

متذکرہ بالا باب میں سماجی بُرائیوں کے خلاف گورو نانک کے بصیرت افروز جہاد کا مختصر سا جائزہ ہی پیش کیا جا سکا ہے۔ گورو نانک اپنے عہد کے ضمیر کی آواز تھے اور مغرب کی حُرّیت پسندی اور روشن خیالی اُن کے بہت بعد کی باتیں ہیں۔ وہ زمانۂ جدید کے پیش رَو تھے۔

۱۰

ہندوستان کے لیے محبت

گورونانک کو تاریخی طاقتوں اور سماجی بہبود کے مسائل کا مکمل احساس تھا۔ اس وقت جاگیر دارانہ نظام کے مظالم کا دور دورہ تھا۔ بابر ان دنوں کابل اور وسط ایشیا کے مختلف علاقوں کا حکمران تھا۔ اس نے ہندوستان پر پے در پے حملے کیے۔ حکمران لودھی پٹھانوں کے پاس ذرائع کی کمی تو نہ تھی لیکن پھر بھی وہ بابر کے حملوں کی تاب نہ لا سکتے تھے۔ بابر کی حملہ آور فوجیں جن میں افغان، ازبیک، منگول اور دوسرے فرقوں کے سپاہی شامل تھے، نہتے پنجابیوں پر ٹوٹ پڑے۔ پنجاب چونکہ ان کے راستے میں سب سے پہلے آتا تھا، لہٰذا انھوں نے یہاں کے لوگوں کا قتلِ عام کیا۔ جائداد کو نذرِ آتش کر دیا اور عوام کو بے دردی سے لوٹا۔ ان کی غارت گری سے، ہندو یا مسلمان کوئی بھی نہ بچ سکا۔ گورونانک اس قتلِ عام کے چشم دید گواہ تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک حملے کے دوران میں ان کو قیدی بھی بنا لیا گیا تھا اور حملہ آوروں کے لیے آٹا پیسنے کی سزا بھی دی گئی تھی۔ قتلِ عام ہونے اور شہروں کو خاکستر کیے جانے کے علاوہ جس چیز نے گورونانک کے دل پر کچوکے لگائے، وہ تھی قزاقوں کے ہاتھوں عورتوں کی عزت و ناموس کا لٹنا۔ شکست خوردہ لوگوں کی عورتوں کے ساتھ یہ سلوک ہوتا ہوا دیکھ کر گورونانک کا دِل درد سے چیخ اٹھا۔ گورو صاحب نے اپنے رنج و غم کا اظہار اپنی چار نظموں میں کیا ہے جن کا عنوان "بابر وانی" ہے اور جو گورو گرنتھ صاحب میں شامل ہیں۔ دراصل "بابر وانی" گورو صاحب کی ایک نظم کے مصرع ہی کا حصّہ ہے۔ ان میں سے ایک نظم میں انھوں نے حملہ آوروں کے زیرِ عتاب آنے والے علاقے کو ہندوستان کا نام دیا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنی سرزمین کے لیے کتنے فکر مند تھے اور غالباً یہ

پہلا موقع تھا جب خدا سے محبت رکھنے والے کسی بندے نے سارے ملک اور اس کے عوام کے بارے میں اتنی ہمدردی سے سوچا ہو۔ انھوں نے نااہل اور جنسی خواہشات کے غلام لودھیوں پر انتہائی غم و غصے کا اظہار کیا جنھوں نے حملہ آوروں کی احمت ہ کی اور اپنے ملک کو تباہ و برباد اور عورتوں کو سرِ بازار رسوا ہونے دیا۔ گورونانک ہندوستان اور اس کے عوام کو ہیرے جواہرات سمجھتے تھے جنھیں حملہ آور کتّوں نے لوٹا۔ ان نظموں میں گورو صاحب نے ایسے شعبدہ بازوں کی کھل کر مذمّت کی جو یہ کہتے تھے کہ وہ اپنے جادو کے زور سے مغلوں کی آنکھیں اندھی کر دیں گے۔ ان نظموں کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ گورونانک سپہ آرائی کے فن سے بھی بخوبی واقف تھے۔ انھیں نظموں میں انھوں نے ہندوستان کی تذلیل کا نقشہ بھی کھینچا ہے۔ آپ نے بلالحاظِ مذہب و ملّت، سارے ہندوستان کے لیے آواز بلند کی۔ آج کی اصطلاح میں اسے حُبّ الوطنی ہی کہا جائے گا۔ حالانکہ گورو صاحب وطن پرستی جیسے جذبے سے بالاتر تھے۔ ان کا ترحّم اور طیش عالمگیر اور کائناتی تھا۔ کچھ اقتباسات ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں، جن میں سے ایک میں عورتوں کی بے حرمتی کا خاص طور سے ذکر ہے:-

میں خود کچھ نہیں کہتا پیارے مجھ سے وہی کہلاتا ہے
لوح و قلم ہیں جس کی بخشش جو لفظوں کا داتا ہے
بابر وارد ہند ہوا ہے انگ سنگ ہوس برات لیے
لوٹے گا تو اس دھرتی کی عزّت ڈولی ساتھ لیے
شرم و حیا آئین و صفا سب منہ کو چھپاتے پھرتے ہیں
جو عیّار ہیں جو بدکار ہیں دھوم مچاتے پھرتے ہیں
یارب تیرے بندوں پر یہ وقت بہت ہی بھاری ہے
شیطانوں کے راج میں ہر سو کُفر کی فتنہ کاری ہے
حوّا کی تقدیس کا حافظ اب تو فقط قرآن ہی ہے
ناری شکتی کا رکھوالا کوئی نہیں بھگوان ہی ہے

اِک تُو ہی تو مسیحا ہے اب پھوٹی قسمت والوں کا
یارب بیڑا پار لگا مظلوموں اور پامالوں کا
ہر سُو خون کی ہولی کا سیلاب سا آیا لگتا ہے
ماتھے پر ٹیکا بھی لگتا ہے تو خون کا لگتا ہے
نانک اس لاشوں کے شہر میں حمد و ثنا کے کیا معنی
وحشت کا ہو راج جہاں پر صدق و صفا کے کیا معنی

(تلنگ - صفحہ ۷۲۲)

بے نام بے نشاں ہوئیں نازوں کی پالیاں
مٹّی میں جیسے رُل گئیں پھولوں کی ڈالیاں
تیرے طریقِ کار پہ کِس کو کلام ہے
تیری رضا کے بندے ہیں تجھ پر سلام ہے
ہر شے پہ اس جہاں کی تیرا ہے اختیار
اسرار تیری ذات کے تجھ پر ہی آشکار
تمثیلِ کائنات کا محور تمہیں تو ہو
منظر بھی تم ہو اور پسِ منظر تمہیں تو ہو
سج دھج کے ڈولیوں میں جب آئیں سہاگنیں
کیا کیا نہ گھونگھٹوں میں لجائیں سہاگنیں
کچّے گھڑے تھے آبِ کرم سے بھرے ہوئے
چاروں طرف تھے قیمتی تحفے سجے ہوئے
گھر آنگنوں سے رُخصتی کس شان سے ہوئی
ہر فرض کی ادائیگی کس شان سے ہوئی
جو اطلس و کمخواب کے بستر پہ تھیں دراز
درد و الم سے رنج و محن سے تھیں بے نیاز

بے حرمتی سے اُن کو گھسیٹا یہاں وہاں
موتی گلے کے ہار کے بکھرے جہاں تہاں
جاہ و جلال جان کا آزار ہو گئے
خوشیوں کے پھول راستے کے خار ہو گئے
حاکم نے اپنے گرگوں کو تاکید سے کہا
ان سب حسین چہروں کو دو خاک میں مِلا
مالک اگر نوازے تو عزّت عطا کرے
ڈھانے پہ قہر آئے تو کیا جانے کیا کرے
انساں کو چاہیے کہ ڈرے وہ مآل سے
یادِ خُدا کبھی نہ نکالے خیال سے
حکّام وقت کو نہ رہا کچھ قیاس بھی
عیش و طرب میں کھو دیئے ہوش و حواس بھی
بابَر کا حکم حکمِ الٰہی سے کم نہ تھا
مُنہ سے نِوالا چھیننے والوں کو غم نہ تھا
کیا کیا نہ مومنوں کی نمازیں قضا ہوئیں
اور مندروں کی گھنٹیاں بھی بے صدا ہوئیں
چھینی ہیں ناریوں سے پوتّر رسوئیاں
ہاتھوں کی چھاپ غسل کی رسمیں گئیں کہاں
اُن کو خیال بھی نہ رہا رام نام کا
حرفِ خُدا بھی دعوتِ قہر و قضا ہوا
آیا ہے جب بھی دشتِ ستم کوئی کر کے پار
احباب نے سوال کیے اُس سے بے شمار

جب کر لیا کسی نے یہ بحرِ ستم عبور
شہرت پھر اس کی پھیل گئی گویا نزد و دُور
ہر کوئی اُس سے پوچھتا تھا بس یہی سوال
میرے عزیز کیا ہوئے کیسا ہے اُن کا حال
اَوروں نے ہاؤ ہو کو مقدّر سمجھ لیا
تسخیرِ آرزو کو مقدّر سمجھ لیا
نانک تمام تیر ہیں رب کی کمان میں
بندے کے بس میں کچھ بھی نہیں اس جہان میں

(وار آسا - صفحہ ۴۱۷)

کوئی لیتا نہیں خُدا کا نام
ہو گئے لوگ مال و زر کے غلام
ساتھ دے گی نہ دولتِ دُنیا
چند روزہ ہے صحبتِ دُنیا
جس کے دل میں غرُور رہتا ہے
ہاں وہ نیکی سے دُور رہتا ہے
جب بھی فاتح نے پیش قدمی کی
یہ خبر چار سُو میں پھیل گئی
روکنے کو ستم کی یہ یلغار
سادھو سنتوں کی فوج تھی تیار
لاکھ سینہ سپر ہوئے جرّار
پر نہ رُکتی تھی جبر کی رفتار
ہندو مسلم عبادتوں کے گھر
کر دیئے ظالموں نے زیر و زبر

کاری ضربوں سے غم رسیدہ ہوئے
کتنے شہزادگاں شہید ہوئے
خون ہر سو بہا رہے تھے مغل
پھر بھی خود کو بچا رہے تھے مغل
پیش گوئی نہ کر سکا کوئی
ایسی اندوہ کُن تباہی کی
ٹھن گئی مغلوں اور پٹھانوں میں
رن تھا شمشیروں اور سنانوں میں
اس طرف توپ سے نکلتی دہاڑ
اُس طرف ہاتھیوں کی تھی چنگھاڑ
عورتیں ہوگئیں غریقِ یاس
سر سے پا تک تھا تار تار لباس
کوئی جا تھی نہ سر چھپانے کو
صرف شمشان تھے ٹھکانے کو
جن کے لوٹے نہ گھر کو مردِ کمال
زندگی اُن کی ہوگئی بے حال (آسا صفحہ ۱۸-۴۱۷)

یہ نظمیں بنیادی طور پر ہندوستانی عوام کو اخلاقیات کا درس دیتی ہیں۔ جو لوگ مالکِ دو جہاں کی پرستش نہیں کرتے اُن پر غم والام کے پہاڑ ٹوٹتے ہی رہیں گے۔ نفسی خواہشات کا انجام ہمیشہ موت ہوتا ہے۔ جو لوگ عیش وعشرت میں اپنی طاقت کھو دیتے ہیں اُن پر بابر جیسے جابر کا قہر ٹوٹنا لازم ہے۔ یہی قانون الٰہی ہے۔ گورو نانک نے اپنے پیروکاروں کو جو سبق دیا۔ اس کا مرکزی نکتہ بھی یہی ہے۔ "خدا کی عبادت میں زندگی گزارو۔ اپنے کردار کو پاک وصاف رکھو۔ ظالموں کا مقابلہ اور اپنی عزت وناموس کی حفاظت کرنے کا یہی طریقہ ہے۔ اگر ایسا نہیں کروگے تو ہمیشہ ان کے مظالم کا شکار بنتے رہوگے"۔ یہ ایک ایسا سبق ہے جسے انسان بھولنے کی کبھی ہمت نہیں کر سکتا۔

۱۱

روحانیت کی مستی

خالق کائنات سے اپنے آپ کو جوڑنے کے لیے محبت ایک ذریعہ تصوّر کی جاتی ہے اور اس عمل کو مختلف نام دیئے گئے ہیں۔ یہ پیار بھگتی کہلاتا ہے۔ اس عمل میں خالق باری سے محبت کرنے والا اپنے آپ کو محبوبہ تصوّر کرتا ہے اور مالک دوجہاں کو اپنا محبوب۔ بھگتی تحریک کے آخری ادوار میں برندابن کی گوالنوں، خصوصاً رادھا کا کرشن سے عشق ایک علامت کی شکل میں اُبھر کر سامنے آتا ہے۔ دوسری روایات میں اور وضع کے علامتی پیکر پائے جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر "پرانے عہد نامے" میں سولومن کا گیت اور فارسی کی روحانی شاعری میں محبوب الٰہی۔ ان عقائد و رسوم میں محبوبہ مثالی خوبصورتی اور کشش کا نمونہ ہوتی ہے جو اپنے محبوب سے وصال کے لیے ترستی ہے۔

گورونانک کے ہاں ربّی پیار کے اظہار کے لیے ایسی عورت کا انتخاب کیا گیا ہے جس کا شوہر دُور دراز کے علاقے میں روٹی روزی کی تلاش میں بھٹکتا ہے اور اس کے فراق میں محبوبہ بے حال ہے۔ یہ جذبہ ہندوستانی عورت کے تنہائی میں کٹنے والے ان شب و روز کی بھرپور عکّاسی کرتا ہے جو وہ اپنے گاؤں یا شہر میں گزارتی ہے۔ اس کے دن رات سپاٹ اور بے کیف گزرتے چلے جاتے ہیں۔ اگر یہ عورت کھاتے پیتے گھرانے کی ہو تو وہ اپنے باغ یا محل میں فرقت کے دن گزارتی دکھائی دیتی ہے اور اُسے اپنے محبوب سے وصال کی مستقبل قریب میں کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ اس کی یہ صورتِ حال قابلِ رحم ہوتی ہے۔ اس کے بچھڑے ہوئے شوہر کی کوئی خبر نہیں آتی اور وہ ناموافق حالات اور ناہمدردانہ ماحول میں زندگی گزارنے پر مجبور رہتی ہے۔

اس ولولے کا اظہار ایک اور ڈھنگ سے بھی ہوتا ہے۔ فرقت زدہ عورت کا شوہر اس کی خوبصورتی اور نسوانی کشش میں کوئی دلچسپی نہیں لیتا۔ اس کا رویّہ ایسی محبوبہ کے رویّے کے عین برعکس ہے جو اپنے محبوب سے نفرت کرتی ہے۔ اس کا پیار جیتنے کے لیے محبوبہ طرح طرح کی آرائش کرتی ہے۔ اپنے لہجے میں شیرینی اور حلیمی پیدا کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتی ہے تاکہ اپنے محبوب کا دل جیت سکے۔ ایسی اور اسی طرح کی دوسری ذہنی کیفیات سے گزرتی رہتی ہے۔ گورونانک کی شعری تخلیقات میں اسی طرح کی دنیاوی محبت کے استعارے اور علامتیں عام پائی جاتی ہیں لیکن ان میں روحانی پہلو ہمیشہ نمایاں رہتا ہے۔ کبھی کبھی یہ طرز اظہار آراستہ و پیراستہ ہوتا ہے اور کبھی کبھار رنج و غم کی انتہا کو بھی چھوتا دکھائی دیتا ہے۔ روح اپنے مالک سے وصال کے لیے ہمیشہ مشتاق دکھائی دیتی ہے۔ چند ایک نظموں کے مطالعے سے ہمیں اس روحانی اشتیاق کی گہرائی کا پتہ چلتا ہے۔ ان کا مطالعہ کرتے وقت ہمیں ان کے علامتی پہلو کو ہمیشہ دھیان میں رکھنا چاہیے۔ یہ جذبہ نہ تو وجی کرشن اور نہ ہی فارسی شاعری کے نوجوان خوبصورت محبوب کے لیے ہے بلکہ ایک ہندوستانی عورت کا اپنے شوہر کی طرف اظہار محبت کا جذبہ ہے، جس کا وہ بے صبری سے انتظار کرتی ہے اس کا پس منظر ہندوستان کا ایک عام گھر ہے جہاں ایک ہندو عورت اپنے بچھڑے ہوئے شوہر کی آمد کا انتظار کرتی ہے۔ یہ جذبہ ہندوستانی روایات کے عین مطابق اور پاک وصاف ہے اور اس میں کسی طرح کی ہوس پرستی کو دخل نہیں ہے۔

انسانی روح یہ جانتی ہے کہ وہ دنیا کے مایاجال میں گھر کر خدا سے دُور ہو چکی ہے۔ وہ اپنی تنہائی اور بے بسی کا اظہار گھریلو اور سادہ علامتوں کے ذریعہ سے کرتی ہے۔ ذیل میں درج دو گیتوں سے بات واضح ہو جاتی ہے:۔

اے میرے مالک و محبوب سُنو
التجا میری سُنو
تُم تو اپنے شبستاں میں خوش بیٹھے ہو
آتش ہجر نے مجھ کو، لیکن

راکھ کا ڈھیر بنا رکھا ہے
کون اپنوں کے سوا مجھ کو تسلّی دے گا
قابلِ رحم میری حالت ہے ———
مجھ کو حسرت ہے یہی
مَیں کہ پی جاؤں
تمہارے نام کا آبِ حیات
اور اپنے ذہن کو شیرینیوں سے بھر سکوں
ساری دُنیا میں تمہیں تو اک میرے غمخوار ہو
مجھ کو اے نانک سعادت اس قدر تو ہو نصیب
علم و دانش کی کمائی سچ کی گٹھڑی باندھ کر
بارگاہِ مالکِ کون و مکاں تک جا سکوں

(راگ تکھاری، صفحہ ۱۱۱)

اے میرے مالک اور محبوب سُن
میری روح اُداسی کے دشت میں تنہا بھٹک رہی ہے
تُو کہ میرے حال سے بے خبر
کس طرح سے آسکے گا اب مجھے صبر و قرار
مَیں کہ اک ایسی دُلہن ہوں
جو ہے صیدِ ہجرِ یار
جو سیاہ راتوں کی دہشت کا شکار
سُن کہ میری کلفتیں ہیں بے شمار
مجھ کو شب بھر نیند بھی آتی نہیں
میں کہ صیدِ ہجرِ یار
اب تو سُن میری پکار

یہ عروسِ نَو ترستی ہے وصالِ یار کو
اب تو اے نانک مٹا اس روح کے آزار کو
(راگ گوری ، صفحہ ۲۴۳)

اس گیت میں روحانی جذبے کے اشتیاق کی کہانی بڑے المیہ ڈھنگ سے بیان کی گئی ہے۔ جس طرح انسان عالمِ خواب میں کسی کے وصل کے لیے عبث بھٹکتا ہے، ویسا ہی حال روحانی تلاش کا ہے۔ جب یہ شبد گایا جاتا ہے تو سِکھ سامعین کے لیے اپنے آنسوؤں کو قابو میں رکھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ یہ پورے کا پورا یہاں درج کیا جاتا ہے:۔

خوابِ عشق

سکھی ری ساون آ گیا
موروں کی رُن جھُن سے
دل بھر آ گیا
میرے محبوب!
تمہاری قاتل اداؤں نے
میرے دل کو اپنا صید بنا رکھا ہے
تمہارے دید کی خاطر
میں اپنی جان بھی دے دوں
تمہارے نام پہ قربان ہو جاؤں
میری ادنیٰ سی ہستی افتخار و جاہ سے عاری
تم ہر اک تکریم ہر تعظیم پہ بھاری ــــــ
تو پھر نادان عورت!
تمہاری چوڑیوں کی یہ کھنک کس کام کی ہے
توڑ ڈالو، پھوڑ ڈالو چوڑیوں کو

تمہارا غازۂ رخسار و لب گویا عبث ہے
کہ اُس محبوب کا لطف و کرم اوروں کا حصّہ ہے
تمہاری چوڑیوں کی یہ کھنک کس کام کی ہے ـــــــ ؟
سبھی سکھیوں پہ وصلِ یار کا آیا زمانہ
مگر میں غم زدہ کس در پہ جاؤں، ہے کہاں میرا ٹھکانہ ؟
میری حسِ لطافت بھی نہ میرے کام آئی
روا رکھی میرے محبوب نے بے اعتنائی
میری آنکھوں میں آنسو دیکھ کر دنیا بھی روئی
پرندے جنگلوں میں اشک برساتے رہے ہیں
مگر آنکھیں میری جس کی جدائی میں ہوئیں جل تھل
اسے میری خبر کچھ بھی نہیں ہے ـــــــ
اُسے جب خواب میں دیکھا
میری آنکھوں کے پیمانے چھلک اُٹھے
مگر اے وائے مجبوری
رہے گی تا ابد قائم ہمارے درمیاں دُوری
نہ خود ہی جا سکوں واں تک
نہ قاصد ہی کوئی پیغام لے کر جا سکے گا ـــــــ
تو پھر اے نیند تُو ہی آ
مجھے خوابوں میں اُس کی خوبصورت شکل دکھلا جا ـــــــ
تُو اس محبوب کے تو تذکرے کرتا ہے روز و شب
مگر نانک تمہارے پاس اس کو نذر کرنے کے لیے کیا ہے ؟
(سوائے اک سرِ تسلیم کے)
اگر محبوب ہی بے اعتنا ٹھہرے تو کیا کیجیے

یہی اک راستہ ہے
خود کو اُلفت میں فنا کیجیے

(وودھ ہنس، صفحات ۵۸ - ۵۷)

گورونانک کے روحانی تجربات کی شاعری میں اسی جذبے کا مختلف طریقوں سے اظہار ہوتا ہے۔ اس کا بھرپور اظہار ایک طویل نظم (مقبول شاعری کے لہجے میں) میں ہوتا ہے جو راگ تکھاری میں مرتب ہوئی ہے اور جسے بارہ ماہ (موسموں کا گیت) کا عنوان دیا گیا ہے۔ اکیلی دُلہن سال کے مختلف موسموں کو آتے جاتے دیکھتی ہے اور اس کے دل کا کرب ہر موسم کے گزرنے پر مزید گہرا ہوتا جاتا ہے۔ ساون (جولائی، اگست) کے خوشگوار موسم میں تو اس کرب کی شدت دیکھتے ہی بنتی ہے جب آسمان سے بوچھاریں پڑتی ہیں اور چاروں طرف سے کالے کالے بادل گھر آتے ہیں۔ موسم سرما کی طویل تنہا راتیں کاٹنا کتنا مشکل ہوتا ہے۔ لیکن اس کی محبت کا صلہ آخر کو مل ہی جاتا ہے پھاگن (فروری، مارچ) یعنی موسم بہار کی آمد کے ساتھ ہی لمحۂ وصال بھی آتا ہے۔ پھاگن سے پہلے کے مہینے یعنی ماگھ (جنوری، فروری) ہی سے مسرت کی لہریں دوڑنا شروع ہو جاتی ہیں، ملاحظہ فرمائیے:-

ماگھ اک مژدہ لے کر آیا ہے
من ہی من اُس کا گھر دکھایا ہے
صورتِ وصل ہو گئی پیدا
رنگ اُس کا وجود پر پھیلا
اُس کے اوصاف رُوح میں اُترے
میرے محبوب کے ہیں کیا کہنے
اس کی چاہت میرے لیے وردان
گنگا جمنا میں جس طرح اشنان

دان اور تپ عبادتوں کا صلہ
اُس کے بندے جو ہو سکے تو مِلا
قولِ نانک ہے ماگھ جب آئے
ساتھ خوشیاں ہزار لے آئے
آدمی گھاٹ گھاٹ لاکھ پھرے
اُس کی رحمت ہی بیڑا پار کرے

(صفحہ ۱۱۹)

۱۲

یوگ

دورِ حاضر کی طرح گورو نانک کے زمانے میں بھی یوگ کے مختلف طریقے مقبول تھے۔ ہر سادھو کو یوگی کہا جاتا تھا اور تپسیوں کے بھی کئی فرقے تھے جیساکہ بیراگی، سنیاسی اور اودھوت وغیرہ۔ یہ فرقے مزید تقسیم ہو کر چھوٹے چھوٹے گروہوں میں بٹے ہوئے تھے اور ایک دوسرے سے برسرِ پیکار رہتے تھے۔ اپنی ساحرانہ قوتوں کی وجہ سے یہ سادھو سنیاسی لوگوں کے دلوں پر چھائے ہوئے تھے۔ یہ لوگ چمتکار دکھانے، مخفی طاقتوں کو جگانے اور لوگوں کو نجات دلانے کا وعدہ کرتے تھے۔ لیکن ان کے زیادہ تر دعوے جھوٹے اور فراڈ تھے جن سے یہ سیدھے سادے عوام کو بیوقوف بنا کر اپنا الو سیدھا کرتے تھے۔ سچے اور حقیقی تپسوی بھی ان باتوں سے مستثنانہ تھے اور اس طرح کے بے معنی کرتب عام دکھایا کرتے تھے اور اپنے آپ کو عوام سے الگ تھلگ رکھتے تھے۔ گورو نانک ایسے زہد و تقویٰ کو انسانی کاوشوں کا بے مصرف استعمال سمجھتے تھے۔ اس کے برعکس انھوں نے اپنی ذات کو پاک و صاف رکھنے پر زور دیا جس کا ایک طریقہ تھا کہ تقدّس کا سبق پڑھایا جائے۔ اپنی زندگی عبادت اور پرستش میں گزاری جائے۔ بنی نوع انسان کی بے لوث خدمت کی جائے۔ گورو نانک نے اپنی مشہور زمانہ تخلیق "جپ جی" میں فرمایا ہے:

"بن گن کیے بھگتی نہ ہوئے"۔ یعنی نیکی کیے بغیر بھگتی بے معنی ہے۔

گورو نانک مختلف مقامات کے سفر کے دوران میں متعدد یوگیوں کے ڈیروں پر گئے اور ان سے مکالمے کیے۔ ایسے ہی ایک موقع پر وہ اتر پردیش کے ضلع پیلی بھیت کے ایک پہاڑی مقام گورکھ ماتا بھی گئے جو بعد میں نانک ماتا کے نام سے اس لیے مشہور ہوا کیونکہ انھوں نے وہاں یوگ کے مسلک کے مقابلے میں اپنے وضع کردہ اصولوں کے ذریعہ فوقیت

حاصل کی تھی۔ اس کی تصدیق شاعر بھائی گورداس کی واروں سے ہوتی ہے جو گورو ارجن دیو کے چیلے اور قریبی رفیق تھے۔ بھائی گورداس کا کہنا ہے کہ ان یوگیوں نے اپنی ساحرانہ طاقتوں سے گورونانک پر رعب ڈالنے کی کوشش کی۔ جب وہ ان کو متزلزل کرنے میں ناکام رہے تو انھوں نے جہنّم نما دھرتی، یعنی ہندوستان کے میدانوں، جس پر لاکھوں مصیبت زدہ انسان ظالموں کے پیروں تلے کچلے جاتے ہیں، کے متعلق بے شمار سوال کیے۔ گورو نے جواب دیا "تم لوگ جو اپنے آپ کو پاک اور مقدّس انسان سمجھتے ہو خود تو پہاڑوں میں آچھپے ہو، اب انسانیت کو کون بچائے گا؟ خدا کے بندوں کی جگہ مصیبت کے مارے ہوئے لوگوں کے درمیان میں ہوتی ہے جو بودھوں کی طرح ان کو بچانے کی سعی کریں۔

یوگیوں نے جو چمتکار 'ردھی' اور 'سدھی' کے نام پر دکھا کر گورونانک کو مرعوب کرنے کی کوشش کی تھی، انھیں گورو صاحب نے اخلاقی اور روحانی زندگی کے لیے بے معنی قرار دیا۔ جب یوگیوں نے گورونانک سے کوئی معجزہ دکھانے کے لیے کہا تو انھوں نے جواب دیا۔ "بھگوان کی بھگتی کے علاوہ وہ اور کوئی معجزہ نہیں دکھا سکتے۔"

اپنے ایک شبد جو راگ ماجھ میں مرتب ہے گورو صاحب فرماتے ہیں:۔

خواہ میں لباسِ آتش زیبِ تن کروں
برف کا مسکن بناؤں
اور نانِ آہنی کا لقمہ چباؤں ـــــ
کائنات کا درد و الم پانی کی طرح پی جاؤں
اور دھرتی کو ہلاؤں ـــــ
خواہ سارے آسمانوں کو ترازو میں بٹھا کر
ایک ذرّے کے برابر تول دوں
زمین و آسمان کی سرحدوں کو پار کر جاؤں
ان کو اپنے حکم کے طابع کروں
قادرِ مطلق کہاؤں

اوران سب سے اطاعت بھی کراؤں ـــــ

پھر بھی کیا؟

قوّتِ خالق مسلّم

عظیم ترین نوازشیں جس کی

قولِ نانک ہے یہی

مالکِ ہر دو جہاں اپنی عبادت کی جسے توفیق دے

اس کو پھر کیا چاہیے ـــــ!

(راگ ماجھ، صفحہ ۱۴۷)

گورونانک چاہتے تھے کہ یوگی کے کان میں پہنی ہوئیں "مندراں"، جسم پر ملی ہوئی راکھ، پیوند لگا ہوا چولا اور لاٹھی وغیرہ سب روحانی اور اخلاقی اقتدار کے حامل بن جائیں۔ جس طرح سے انھوں نے برہمنوں کے جنیئو کو بدلا تھا۔ "جپ جی" صاحب کے ۲۸ ویں بند میں وہ اس طرح ارشاد فرماتے ہیں:۔

صبر و تحمّل کو کانوں کے کُنڈل بنا

طبعِ حلیم کو کاسۂ گداگری سمجھ

غور و فکر کی جسم پر بھبھُوت رَما

فانی ہونے کے احساس کو اپنی رضائی سمجھ

جسمِ خاکی کو آلودگی سے بچا ـــــ

تیرا مسلک ـــ یقینِ ذاتِ خُدا

سارے انسانوں کو جان اپنے اقربا

خود پر فتح یاب ہو

پھر دُنیا کے سر کا تاج ہو ـــــ

اس کی ذات کو سلام

جو مقدّم ہے

پاک ہے

ابدی ہے

زندۂ جاوید ہے

اور وقت سے ماورا ہے

اور اس کے بعد تین مزید بند بھی اسی موضوع سے متعلق ہیں۔ ایک اور جگہ پر راگ سوہی میں انھوں نے اس کا اظہار فرمایا ہے:۔

ہاتھ میں کاسۂ گدائی اور ڈنڈا لے کر گھومنا
جسم پر راکھ کا لیپ کرنا
جوگ نہیں ہے ــــ

کان میں کُنڈل، دراز زُلفیں
ناد کی پھونک بھی جوگ نہیں ہے ــــ

عالم کی ناپاکیوں میں بھی غیر آلودہ رہنا
اصل جوگ ہے ــــ

جوگ کا کمال شیخی بگھارنے میں نہیں
سچّا جوگی وہ ہے
جو کائنات میں ہم آہنگی کا متمنی ہو ــــ
شمشان نوردی جوگ نہیں
سمادھی رچانا جوگ نہیں
دُنیا کی خاک چھاننا جوگ نہیں
رسمی اشنان جوگ نہیں
دہر کی غلاظت میں رہتے ہوئے پاک دامن رہنا جوگ ہے ــــ
مالکِ دو جہاں سے رُوحانی تعلق
سارے اوہام کو ختم کرتا ہے

اور ذہنی آوارگی سے راہِ نجات دلاتا ہے
چشمۂ آبِ حیات جاری ہوتا
ربّی آہنگ سُنائی دیتا ہے
خدائی عرفان کے دروازے رُوحوں پر وا ہوتے ہیں
عالم کی ناپاکیوں میں بھی غیر آلود رہنا
اصل جوگ ہے ـــــ

اے نانک
ایسا وصال حاصل کر
جو ساری خواہشات کا خاتمہ کر دے
اور تم پر رُوحانی آہنگ کا وجد طاری ہو جائے
عالمِ سکون کے در وا ہوں ـــــ
عالم کی ناپاکیوں میں بھی غیر آلود رہنا
اصل جوگ ہے

(راگ سُوہی۔ صفحہ ۷۸۰)

اگر یوگ کو صحیح طریقے سے اپنایا جائے تو گورو نانک کے خیال کے مطابق اس کا نچوڑ یہ نکلتا ہے کہ انسان اپنے دل کی خواہشات کو قابو میں رکھے اس بات کو واضح کرنے کے لیے انھوں نے کنول کے پھول کو بطور علامت پیش کیا ہے۔ جس طرح کنول کا پھول پانی میں رہ کر پانی سے بچا رہتا ہے اسی طرح انسان اس دنیا میں رہتے ہوئے بھی اپنی خواہشات کو قابو میں رکھ سکتا ہے اور غلاظت سے بچ سکتا ہے۔ ہندوستانی طرزِ فکر میں کنول کا پھول ہمیشہ پاکیزگی کی علامت رہا ہے اور گیتا میں بھی اس کا استعمال ہوا ہے۔

رسمی فقیری کو گورو نانک نے ناپسند کیا ہے۔ فرماتے ہیں :۔

جو بھی سادھو سنت کہائے
ہاتھ میں کاسہ لے کر مانگن جائے

اُس کے پیر نہ چھُو ۔۔
جو بھی اپنی روٹی روزی
محنت مزدوری سے کمائے
(تھوڑا حصّہ دان میں جائے)
نانک کا یہ کہنا ہے
ایسا شخص ہی راہِ خدا پہچانتا ہے ۔۔۔۔۔

(وار سارنگ ، صفحہ ۱۲۴۵)

گورونانک کی اس بصیرت کو آج رام کرشن مشن جیسے ادارے جزوی طور پر عملی روپ دینے کی کوشش کر رہے ہیں جو خلقِ خدا کی خدمت ہی کو اصل روحانی زندگی سمجھتے ہیں۔ ہمارے عہد کے لیے جس میں سماجی اور اخلاقی حلقوں میں انسانی خدمت کو اونچا درجہ دیا دیا جاتا ہے، گورو صاحب کا پیغام تو اور بھی زیادہ اہمیت رکھتا ہے اور گورونانک کے پیروکار سکھوں کے لیے ایسی خدمت تو روحانی اہلیت کے لیے اور بھی ضروری ہے۔

۱۳

معرفت کی راہ

گورونانک کی تعلیمات کے مطابق انسان اپنی ان نفسی خواہشات کو قابو میں رکھے جو اُسے گناہ کے راستے پر لے جاتی ہیں۔ یہ ایک انتہائی مشکل کام ہے جس کے سرانجام دینے کے لیے اُسے عبادت اور اپنی انا کو مالک کے احکام کے طابع کرنے کی ضرورت ہے۔ اس کام کے مشکل پسند ہونے کو ظاہر کرنے کے لیے گورونانک نے اس جنگلی ہاتھی کی تشبیہ وضع کی ہے جو مایا کے جنگل میں دنیاوی خواہشات کی سیرابی کے لیے مارا مارا پھرتا ہے اور جسے مقدّس خیالات ہی راہِ راست پر لا سکتے ہیں۔ ایک انتہائی فکرانگیز نظم میں انھوں نے اس موضوع پر یوں اظہار خیال فرمایا ہے:۔

مَن اِک مست ہاتھی ہے
جو حیران و حراساں مایا کے جنگل میں گھومتا ہے
دنیاوی خواہشیں اُسے اِدھر اُدھر لیے پھرتی ہیں ——
معلّمِ اعلیٰ کا درس ہی
اصل مسکن تک پہنچائے گا
ورنہ یہ مَن چین نہ پائے گا ——
خود کو نامِ پاک کی عبادت میں لگا
زہر آلود اَنا کے ذائقے سے بچا ——
خالی الذہن شخص پابند قیود کیسے ہوگا؟
جب تک کہ اُسے احساسِ حق کی تلقین نہ ہوگی

یہ ملک الموت کے غیظ کا شکار ہو جائے گا ـــــ

خالق ہی نجات دہندہ ہے
وہی وصال کی صورت وضع کرے گا
وہی حق پرستوں کو عذابِ مرگ سے نجات دلائے گا ـــــ

(آسا، صفحہ ۴۱۵)

خواہشات ہی انسان کو غلط راستے پر لے جاتی ہیں اور انھیں ترک کرنے سے انسان خدائی وصل کا حقدار ہو سکتا ہے :۔

دین ہے حرص وہوس اور عیش وعشرت کا شکار
بس خدا کی ذات ہے تیرے لیے صدِ افتخار
زندگی بہہ جائے گی سیل اَنا کے زور میں
فصل تیری کیا پھلے گی اس زمین شور میں
عیش دنیا داغِ ایذا ہے تمہاری ذات پر
اس لیے لازم ہے تو حرص وہوس کو ترک کر

(راگ آسا، صفحہ ۴۱۹)

ایک اور جاندار تشبیہہ کے ذریعے سے انسانی خواہشات میں ملوّث انسان کو ایسا کوّا کہا ہے جو دنیاوی عشرتوں کی گندگی پر جھپٹتا پھرتا ہے۔ وہ سبق آموز نظم یوں ہے :۔

ساری دنیا ہو گئی ہے عاشقِ قدرِ قلیل
تارکِ صدق وصفا زاغ وزغن جیسی ذلیل
ذہن انسان ہو گیا طرز تعفن کا شکار
اس لیے بہتر یہی ہے ڈھونڈ اب راہِ فرار
مال وزر عیش وہوس اب زہر ہیں تیرے لیے
اک دو کی بات کیا سب زہر ہیں تیرے لیے

بحرِ حق میں فرض ہے غوطہ زنی تیرے لیے
خواہش نسیاں ہی ہیرے کی کنی تیرے لیے
زندگی انسان کی ہے دہر میں مثلِ حباب
جس طرح ہو اک گھروندہ ریت کا بر بامِ آب
جس طرح ہو دائرے کو اپنے محور کی تلاش
اس طرح رہتی ہے ہم کو بندہ پرور کی تلاش

(راگ بسنت ، صفحہ ۱۱۸۷)

مالک دو جہاں سے منسوب انسان وہ نہیں جو رسمی عبادت کرتا ہے بلکہ وہ ہے جو سچائی کے راستے پر چلتا ہے ، دان دیتا ہے اور دوسروں کے لیے دل میں رحم کا جذبہ رکھتا ہے:۔

اصل میں وہی پاک ہے
جس کا دل پاک ہے
جس نے جھوٹ کی غلاظت ترک کر دی ہے
پاکیزگی
کرتی ہے بدن کو پوِتر
مگر
تقدیس اُسی کا حصّہ ہے جو سچ کا عاشق بن جائے ـــــــ
جو اُس کے نام کا عاشق ہے
وہی راہِ نجات کو پائے گا
وہی پاکیزہ کہلائے گا
جو رازِ تقدس جان جائے گا ـــــــ
پہلے خود کی مٹی کو زرخیز بنائے
پھر اس میں مالک کی عبادت کے بیج اُگائے

وہی پاکیزہ کہلائے
جو اُس کے قول کو نبھائے ——
جس کے دل میں رحم ہو اور لوگوں پر اپنی جان لٹائے
صرف وہی پاکیزہ ہے
جو اپنے مَن مندر کو سجائے
اور ربّی فرمان کو اپنا خضرِ راہ بنائے ——

سچ وہ اکسیر ہے
جو علاج بدی کی تدبیر ہے
نانک تو اُن کی نوازشوں کا خواہاں ہے
جو پاک دامنی کی تصویر ہیں ——

(وار آسا، صفحہ ۴۶۸)

گہری لگن میں سرابور ہو کر گورونانک گناہوں بھری زندگی کا احاطہ کرتے ہیں۔ ذیل میں ایک بار پھر ایسی زندگی کو اُس لدی ہوئی کشتی سے تشبیہ دیتے ہیں جو لہروں پر ہچکولے کھاتی پھر رہی ہے:۔

میرا وجود کیا ہے سفینہ گناہ کا
طوفانِ موجِ آب ہی رستہ پناہ کا
دیدارِ یار کا کوئی لمحہ نصیب ہو
حسرت یہی ہے رحمتِ مولا نصیب ہو
پابند میں رہوں تو رہوں اس اصول کا
ذرّہ کہاؤں پائے مبارک کی دھول کا

(رام کلی، صفحہ ۸۷۸)

رحم دلی اور دردمندی مذہبی زندگی کا طرۂ امتیاز ہیں۔ سنگ دل ظالم اور متکبّر لوگ کبھی بھی خدائی وصل حاصل نہیں کر سکتے۔ اپنی عظیم حلیمیٔ طبع کے صدقے گورونانک اس ذہنی

روّیے کو یوں واضح فرماتے ہیں:-

ہم سب ہیں اس کی بخشش و رحمت کے خواست گوار
صدق و صفا کے بندے ہیں صبر و سکوں کے یار
ہم پر خدائے مرگ کو کچھ دسترس نہیں
بندے ہیں ربّ کے نام کے اہلِ ہوس نہیں
لکھّا ہوُا ازل سے ہے اس زندگی کا ساتھ
جس کی ہے کوئی شکل نہ صُورت اسی کا ساتھ

(گوری، صفحہ ۲۲۵)

اُس در پہ ہو سکے نہ جو منّت گزار لوگ
لوحِ جہاں سے مٹ گئے ایسے ہزار لوگ
جو راز دارِ مالکِ کون و مکاں ہوئے
ہر چند پھر نہ واقفِ آزارِ جاں ہوئے
شیدا ہوُا جو والئی دوراں کے نام کا
سب سے بُلند مرتبہ اُس کے مقام کا
سب کے سروں پہ بارشِ رحمت اُسی کی ہے
بخشی ہوئی یہ ساری مسّرت اُسی کی ہے
لازم ہے ہم پہ مال عبادت کمائیں ہم
صبر و سکونِ دل کی یہ دولت کمائیں ہم
محسوس ہو کہ اپنا سراپا اُسی کا ہے
جو لوحِ جاں پہ نقش ہے نقشہ اُسی کا ہے
جو عاجزی کو چھوڑ کے صیدِ انا ہوا
ہر حال میں وہ عازمِ ملکِ فنا ہوُا

وہ حسن ہیں گل میں اور کلی ہیں دکھائی دے
سب سے جدا ہے پھر بھی سبھی میں دکھائی دے

(اونکار - بند ۴۹ ، صفحہ ۹۳۷)

تکلیف یا اذیت زندگی کی ناقابلِ تردید سچائی ہے اور یہی بات بُدھ نے صدیوں قبل باور کروادی تھی۔ انسان اپنی زندگی میں اذیت سے نمٹنے کی متواتر کوشش کرتا رہتا ہے لیکن دنیا کے مظاہر اسے اپنے بوجھ تلے دبائے رکھتے ہیں۔ گورو نانک بڑی گہرائی سے اس راز کی تہہ تک پہنچے ہیں کہ انسان مالک کی ذات سے وابستہ ہو کر اپنی اذیتوں کو مسرتوں میں بدل سکتا ہے۔ انھوں نے اس موضوع کو بڑے موثر انداز میں مختلف پیرایوں میں بیان کیا ہے۔ پہلی تشبیہہ میں انھوں نے زندگی کو ایسا چراغ کہا ہے جسے اذیتوں کے تیل ہی سے روشن رکھا جا سکتا ہے:-

نامِ خدا ہے میرے لیے مشعلِ حیات
رنج و محن کے تیل سے روشن ہے جس کی ذات
آنکھیں ہیں خیرہ اسمِ مبارک کے نور سے
آئے کہیں جو موت تو ڈر جائے دور سے
اے ساکنانِ دہر یہ تم کو رہے خیال
منکر ہوئے جو دیں سے رہ جائے گا ملال
خاکستری کا شوق ہے اتنا تمہیں اگر
مہلک بنے گا کفر کا ادنیٰ سا اک شرر
کیا پوچھتے ہو میرا ہے نخلِ مراد کیا
کم ہے میری بقا کے لیے اُس کی یاد کیا
بخشا اسی سے جاؤں گا دونوں جہان میں
رکھوں گا اس تشبیہہ کو گر میں دھیان میں
میں ڈھونڈتا ہوں جس کا سہارا تمھیں تو ہو
کون و مکاں میں میرا سہارا تمھیں تو ہو

میری متاعِ ذات ہے حمد و ثنا تیری
گنگ و جمن کا آبِ مقدّس ضیا تیری
ہر پل رہوں سراپا عبادت بنا ہوا
دن کو بھی یہ چراغ نہ دیکھوں بُجھا ہوا
کھاتے ہیں برہمن جو کمائی ہے آپ کی
بندے تو بندے ساری خدائی ہے آپ کی
نانک بھی جانتا ہے کہ مالک کریم ہے
جو دوسنما کا جس کی خزانہ عظیم ہے

(راگ آسا - صفحہ ۳۵۸)

گورو نانک انسانی اذیتوں سے مکمل طور پر آگاہ تھے اور انھوں نے اس آگاہی کو اپنی حسیت کا لازمی جزو بنا لیا تھا۔ اُن کو اس بات کا بھرپور احساس تھا کہ انسانی جسم اذیتوں کا فوراً شکار ہو جاتا ہے۔ ان اذیتوں سے نجات کا صرف ایک ہی راستہ ہے اور وہ ہے صدق دلی سے خدائے برتر کی پرستش:۔

مفلس ہو یا گدا ہو قیامت تیرا فراق
ساری اذیتوں کی اذیت تیرا فراق
ظالم کے ہاتھ ہر گھڑی تلوار دیکھنا
کھا جائے گا یہ جان کو آزار دیکھنا
رکھتے نہ وہ امیدِ شفا مجھ غریب سے
کہہ دے کوئی یہ جا کے ہمارے طبیب سے

(راگ ملہار - صفحہ ۱۲۵۶)

دوسری شبیہہ میں انھوں نے زندگی کو تکالیف کا گھر بتایا ہے۔ لیکن پاک بازی اور عبادت کی زندگی اس تکالیف کے گھر کو بھی خوشیوں کے گہوارے میں بدل سکتی ہے:۔

رنج و محن ہے در تو ہے دربان قتل و خوں
اُمّید و بیم سے ہے یہ کاشانہ پُرفسوں

چاروں طرف حصار ہے آبِ فریب کا
گھر کیا ہے یہ شکار ہے آبِ فریب کا

آلِ صفا ہو اور ہو تقدیس کا امیں
ایسے مکان میں تو وہی ہو سکے مکیں

(راگ رام کلی۔ صفحہ ۸۷۷)

زندگی کی اس پُر اذیت کہانی کا آخری منظر موت ہے جو کہ بے حد خوفناک ہوتی ہے۔ گورونانک نے تبلیغ کی ہے کہ اس خوف سے نجات کا راستہ یہی ہے کہ انسان اپنی زندگی کو نیک کاموں کے خزانے سے مالا مال کرے۔ خوف و ہراس ان لوگوں کے نزدیک تک نہیں آسکتے جو اپنے آپ کو مالک کی نظروں میں سرخرو کر لیتے ہیں:۔

جان دینا گنہہ نہیں لیکن
جان دینے کا ڈھب تو آتا ہو
ایسے کامل کی مرگ، مرگِ عظیم
جس کو کارِ طلب تو آتا ہو

(آلہا دنیاں، صفحہ ۴۷۹)

گورونانک نے خود کو ایک "ڈھاڈی" (خدا کی حمد و ثنا گانے والا) کہا ہے۔ 'ڈھاڈی'، خانہ بدوشوں کی ایک ایسی ذات سے تعلق رکھتے ہیں جس کو معاشرہ عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھتا۔ مالک کی ذاتِ بابرکات کی ثنا خوانی کے لیے ضروری ہے کہ گورونانک ڈھاڈی بن جائیں اور جس طرح یہ لوگ بادشاہوں اور حکمرانوں کے درباروں تک رسائی حاصل کرنے کے لیے کوشاں رہتے ہیں اسی طرح نانک بھی

اس مالکِ دوجہاں کے دربار تک رسائی کے خواہش مند ہوں :-

مجھ سے بیکار مغنی کو اک کار مبارک تم نے دیا
میں گیت تمھارے گاتا پھروں، کیا کوہ و دمن کیا صبح و مسا
پھر اک دن وہ بھی آ پہنچا جب کو طلب فرمایا گیا
میری حمد و ثنا کے بدلے میں مجھ پر یہ کرم فرمایا گیا
تحسین کی دولت بخشی گئی خلعت بھی مجھے پہنائی گئی
میں نے نام کا امرت نوش کیا میری بھوک اور پیاس مٹائی گئی
اس نام کی مالا جپتا پھرا اور تن من کو سرشار کیا
نانک کو اور لگن نہ لگی، بس اک یہی کاروبار کیا

(وار ماجھ، صفحہ ۱۵۰)

سکھ مذہب کے بانی گورو نانک (۶۱۴۶۹ - ۱۵۳۹) قرونِ وسطیٰ کے عظیم روحانی رہنماؤں میں سے تھے۔ ان کی زندگی کا نصب العین ان مذہبی گروہوں میں ہم آہنگی پیدا کرنا تھا جن کے آپسی جھگڑے ہندوستانی معاشرے کے لیے ذلّت کا باعث بنے ہوئے تھے۔ انھوں نے اپنے پیغام کے ذریعے سے انسانیت کی اعلیٰ ترین اقدار کے درس کے ذریعہ بتایا کہ خدا کی ذات کا شعور کسے کہتے ہیں؟ عالی ظرف زندگی گزارنا اور انسانوں کے درمیان بھائی چارہ قائم کرنے سے کیا مراد ہے؟ دوسرے مذاہب کے لیے رواداری، دبے کچلے لوگوں کے لیے رحم کا جذبہ، اور انصاف پر مبنی معاشرے کا قیام ان کی زندگی کے بنیادی اصول تھے۔ وہ روحانی، اخلاقی اور مکمل طور پر باعمل زندگی گزارنے کا درس دینے والوں میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے اور ایسے معاشرے کی تشکیل کے خواہشمند تھے جو برائیوں سے پاک ہو اور جہاں خود غرض مذہبی رہنما کے لیے کوئی جگہ نہ ہو۔

گورو نانک کی تعلیمات کا ایک بڑا ذخیرہ قدیم ہندی اور پنجابی زبان میں لکھے ہوئے عبادتی گیتوں کی صورت میں محفوظ ہے۔ یہ گیت مختلف راگوں میں گائے جاتے ہیں، اور ہندوستانی ادب کی وراثت کا گراں قدر حصّہ ہیں۔

پروفیسر گوربچن سنگھ طالب، پنجابی اور انگریزی زبان کے سربرآوردہ دانشور، ادیب اور ناقد نے یہ کتابچہ ان قارئین کے لیے تحریر کیا ہے جو پنجابی زبان سے ناآشنا ہیں۔

پندرہ روپے

ISBN 81-7201-896-7